کلمات اذان واقامت کی ادائیگی

استفتا متعلق ادائیگی کلمات اذان واقامت:

سوال: اذان اور اقامت میں اگر اللّٰـہ أکبر کی راء کو اللہ سے ملا دیا جائے اور اسی طرح اور کلمات کو ساکن نہ کرتے ہوئے اُن کے اعراب کو ظاہر کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں، میرے ناقص خیال سے جائز ہونا چاہئے؟

الجواب

اذان اور اقامت کے کلمات میں سکون ووقف مطلوب ہے، حرکت کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔

وفی الإمداد: ویجزم الراء فی التکبیر أی یسکنها فی التکبیر، قال الزیلعی: یعنی علی الوقف، لکن فی الأذان حقیقة، وفی الإقامة ینوی الوقف، آه أی للحدر. (رد المحتار، مطلب فی الکلام علی حدیث "الأذان جزم": ۱/ ۴۰۰) واللّٰہ أعلم

۲۷/ شعبان ۱۳۴۶ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۴۵)

کلمات اذان واقامت کی ادائیگی کا صحیح طریقہ:

سوال: الحمد للّٰہ علی آلائه والصلاة والسلام علی نبیه وأصفیائه.

اذان کی کیفیت ادا: شروع کی چار اور اخیر کی دو تکبیروں کے علاوہ باقی نو جملوں (شهادتین أولیین، شهادتین أخریین، حیعلتین أولیین، حیعلتین أخریین، تهلیل) کے آخری حرف پر آواز اور سانس کے انقطاع کے ذریعہ حقیقی واصطلاحی وقف کرنا مسنون ومستحب ہے۔ کیونکہ اذان کے کلمات میں ترسل وتمہل اور انفصال وتوقف اور قطع وسکتہ مستحسن ہے، چنانچہ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے:

"أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم قال لبلال: "إذا أذنت فترسل وإذا أقمت فاحدر". (۱)

(یعنی نبی علیہ السلام نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ "جب تم اذان کہو، تو ٹھہر کر کہو اور جب اقامت کہو تو سرعت وتیزی سے کہو")

(۱) أخرجه الترمذی فی باب ماجاء فی الترسل فی الأذان (ح: ۱۹۵) / عبد بن حمید فی مسنده، من مسند جابر بن عبداللّٰہ (ح: ۱۰۰۶) / والطبرانی فی الأوسط، من اسمه أحمد (ح: ۱۹۵۲) / والحاکم فی المستدرک موقوفاً علی عمر بن الخطاب قوله، باب فی فضل الصلوات الخمس (ح: ۷۳۲) انیس)

نیز حدیث ”**الأذان و الإقامة فرادیٰ فرادیٰ**“ (اذان دودودفعہ اوراقامت ایک ایک بار ہے) اور ”**الأذان شفع شفع و الإقامة وتر وتر**“ (تحدیث بالمعنی۔یعنی اذان جفت جفت اوراقامت طاق ہے) کامفہوم بھی یہی ہے کہ اذان کے دو جملے الگ سانسوں میں اوراقامت کے دوحرف ایک ہی سانس میں تلاوت کئے جائیں گے، نیز ترجیع شہادتین والی حدیث بھی اسی پرمحمول ہے۔کیونکہ زوج،شفعہ،ترجیع یہ تین اوراسی طرح وتر،فرد،طاق یہ تین مرادف ہیں۔(۱)

اورترسل کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس سے مقصود اعلام واطلاع،احضار مصلین،اعلان وقت افطار وختم سحر ہے، پس اس میں ترسل وترتیل بلیغ تر اورمناسب تر ہے، ویسے حدروا سراع بھی بلاکراہت درست ہے اوراس صورت میں اعادۂ اذان نہیں، کیونکہ اصل مقصود حاصل اورکلام کامل ہے، زیادہ سے زیادہ زینت متروک ہوگئی۔(**کذا فی المبسوط لشمس الأئمة السرخسي**: ۱۳۱/۱)

رہی چھ تکبیریں، سواس کاحکم یہ ہے کہ باتفاق جمیع فقہا اذان میں دوتک ہی کلمہ کے بمنزلہ ہیں، چنانچہ **رد المحتار المعروف بالشامية**: ۲۸۵/۱، پر ہے۔

”**(ويترسل)...(قوله بسكتة)...وهٰذه السكتة بعدكل تكبيرتين لا بينهما. كما أفاده في الإمداد،أخذًا من الحديث وبه صرح في التاتر خانية**“.

(یعنی اذان کے ہر دوکلمات کے درمیان وقفہ کر کے ترسل کرے اور یہ وقفہ دوتکبیروں کے بعد ہوگا، نہ کہ ان کے درمیان،جیسا کہ حدیث سے اخذ کر کے ”امداد“ میں اس کا افادہ کیا ہے اورتتارخانیہ میں بھی اسی طرح تصریح کی ہے)

پس اب دوتکبیروں میں سے دوسری تکبیر کی راء کوتوقف کی وجہ سے ساکن پڑھی جائے گی اوراس کا رفع خطا ہے اور پہلی تکبیر کی حرکت میں تین قول ہیں۔

(۱) فتحہ ،یعنی ”اَللّٰهُ اَكْبَرَ اللّٰهُ اَكْبَرْ“ کیونکہ ترمذی کی حدیث میں ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے موقوفاً مروی ہے کہ ”**الأذان جزم و الإقامة جزم و التكبير جزم**“ (یعنی اذان، اقامت، تکبیر تحریمہ تینوں جزم سے ہوں) پس جب اذان کے کلمات مجزوم وساکن ہیں، تو پہلی تکبیر کی راء بھی ساکن ہے، پھراس کے وصل کے وقت اتصال بنیت وقف کے سبب دوساکن (راءاورلام جلالہ) جمع ہوگئے اوراب یاتواسم جلالہ (اللّٰه) کے ہمزہ کافتحہ راء کی طرف نقل ہوگیا یا اجتماع ساکنین علیٰ غیرحدہ کے سبب پہلے ساکن (راء) پرفتحہ آگیا اورکسرہ اس لئے نہیں آیا کہ لام جلالہ کی صفت

(۱) في المستخرج لأبي عوانة عن ابن عمر: كان الأذان على عهدرسول الله صلى الله عليه وسلم مثنىٰ مثنىٰ والإقامة فرادىٰ.(بيان أذان بلال وإقامته والدليل على أنه مثنىٰ،الخ (ح:۹۵۹)

في الصحيح للبخاري عن أنس بن مالك قال: ذكروا النار والناقوس فذكروا اليهود والنصارىٰ،فأمر بلال أن يشفع الأذان ويوتر الإقامة.(باب بدء الأذان (ح:۶۰۳)انيس)

تفخیم کی محافظت باقی ہے اور دونوں وجوہ کی نظیر ''الــمّ-الــلّٰـــه'' (عمران، ع:۱) ہے، کیونکہ اس میں بھی میم کا فتحہ بعض حضرات نے بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی رائے پر نقل کیا اور دوسرے حضرات کے قول پر التقاء سواکن کی وجہ سے ہے۔(أبو العباس المبرد، عبد الغنی النابلسی صاحب الروضة والتنویر)

(۲)　سکون، یعنی ''اَللّٰــهُ اَکْبَــرْ. اَللّٰهُ اَکْبَرْ'' حرکت واعراب کے بغیر، اوراس کی دلیل بھی وہی حدیث موقوف ''الأذان جزم'' ہے، جو ابھی نمبر۱ میں گزری، کیونکہ جزم کے معنی مقطوع الأعراب والحرکة کے ہیں، اور یہ معنی اسی صورت میں صادق آسکتے ہیں جب کہ اکبر کی راء کو ساکن پڑھا جائے۔(امداد، زیلعی، بدائع اور شافعیہ کی ایک جماعت کے کلام کا ظاہر بھی یہی ہے)

(۳)　ضمہ، یعنی ''اَللّٰهُ اَکْبَرُ. اَللّٰهُ اَکْبَرُ'' کیونکہ عربی ونحوی قواعد کا مقتضی یہی ہے، اور وجہ یہ ہے کہ أکبر اللہ کی خبر ہے اور خبر مرفوع ہی ہوتی ہے۔(ابن عابدین الشامی، صاحب المغنی، وعامۃ اسلامیین) اور یہی آخری قول راجح وظاہر اور اصح واقیس ہے۔ چنانچہ:

(الف)　''المغنی'' میں حرکت فتحہ اوراس کی وجوہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''وکل هٰذا خروج عن الظاهر والصواب أن حرکة الراء ضمة إعراب''... (رد المحتار: ۲۸٤/۱)

(یعنی یہ سب کا سب بیان ظاہر سے خارج ہے اور درست یہ ہے کہ راء کی حرکت اعرابی ضمہ ہے)

(ب)　''شامی'' میں تینوں قولوں کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''والـذی یـظهـر الإعـراب'' (یعنی ان اقوال میں سے اعراب (ضمہ) والا قول ظاہر ومتبادر ہے)

(ج)　عربیت کے قواعد بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ **کما لایخفٰی علٰی من له بصیرة بالعلوم العربیة.**

الجواب ————————————

حدیث ''الأذان جزم'' کا جواب:

سوال:　(۱)　شامیہ، ج:۱رص:۲۸۴ میں ہے:

''فی الأحـادیث المشتهرة للجراحی: أنه سئل السیوطی عن هذا الحدیث فقال هو غیر ثا بت کما قال الحافظ ابن حجر وإنما هو من قول إبراهیم النخعی. (۱)

یعنی اعرابی ضمہ کے ظاہر وراجح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جراحی کی ''احادیث مشتہرۃ'' میں ہے کہ سیوطی رحمہ اللہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا، تو جواب دیا کہ یہ ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے اور یہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(۱)　ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، مطلب فی الکلام علی حدیث (الأذان جزم): ۳۸٦/۱، طبع سعید، کراچی

(۲) 'جزم' کے معنی اسکان نہیں؛ کیونکہ اعرابی حرکت کے خلاف کرنے پر اس کا اطلاق کرنا اصطلاح حادث ہے، جو صدر اول میں مستعمل نہیں تھی، بلکہ بعد میں نحویوں کے نزدیک مقرر ہوئی ہے، پس 'جزم' کو اس معنی پر محمول کرنا درست نہیں، نیز 'نحاۃ' کی جدید اصطلاح میں بھی 'جزم' کا اطلاق اعرابی حرکت کے اس حذف پر ہوتا ہے جو جازم کی بنا پر ہو، نہ کہ مطلقاً، حالانکہ یہاں حذف وقف کی بنا پر ہے، نہ کہ جازم کی وجہ سے، اس لئے رافعی، ابن اثیر وغیرہ ایک جماعت کی رائے پر اس کے معنی مقطوع المد کے ہیں، یعنی مد کے بغیر مقصور پڑھنا، پس آ اکبر نہیں پڑھیں گے؛ کیونکہ یہ استفہام ہے، جو عمد کی صورت میں کفریہ کلمہ ہے اور لحن شرعی ہے۔(۱)

"**کتاب الطلبة**" میں **فتاویٰ صیرفیة باب: ۳۶**، سے نقل کر کے ایک قول یہی نقل کیا ہے کہ 'جزم' کے معنی قطع مد کے ہیں، نہ کہ قطع حرکت کے۔

احقر عرض کرتا ہے کہ چوں کہ حدیث پوری اذان کے لئے عام ہے اور یہ معنی مذکور فقط تکبیر ہی میں جاری ہوئے ہیں، نہ کہ باقی کلمات میں بھی، اس لئے یہ کہنا اولیٰ ہے کہ 'جزم' سے مقصود اس "**تلحین وتغنی**" سے روکنا ہے، جو اذان کے کلمات میں تغیر پیدا کردے، مثلاً کسی حرکت یا حرف کی زیادتی یا حرف مد وغیرہ میں اشباع، عام ہے کہ اول میں ہو یا آخر میں؛ کیونکہ ایسا کرنا نادرست ہے، اذان میں ہو، خواہ قراءت قرآن میں۔(۲) چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ سے "**تلحین فی القراءة**" کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے کہا کہ ممنوع ہے، پھر پوچھا گیا کیوں؟ جواب دیا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا، محمد، آپ نے فرمایا: کہ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ یا موحاماد کہیں۔(کبیری)(۳)

(۳) اگر 'جزم' کوئی اعرابی حرکت نہیں کہ حذف واسقاط ہی کے لئے استعمال کریں، تو "**الأذان جزم**" کی تقدیر یا تو مجموع الاذان ہے، (کہ پوری اذان ساکن ہے، اس طرح کہ ساری اذان کے ہر کلمہ کو ساکن پڑھیں، ان میں سے اول تقدیر تو باجماع جمیع علما وفقہا باطل وغیر معتبر ہے، رہی دوسری تو سو اس میں بھی دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ کلمہ سے لفظ مفرد مراد ہو، دوسرا یہ کہ کلمہ سے پورا جملہ مقصود ہو، پس ان میں سے پہلا احتمال بھی باطل ہے؛ کیونکہ اس تقدیر پر

---

(۱) كما في الدر المختار: "الأذان جزم" أي مقطوع المد، فلا تقول آللّٰه أكبر؛ لأنه استفهام وأنه لحن شرعي. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۵/۱، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی)

(۲) كما في البحر الرائق: (ولا لحن) أي ليس فيه لحن أي تلحين ...وفي الصحاح: اللحن الخطاء في الإعراب...وتحسين الصوت، لابأس به من غير تغن. (كتاب الصلاة: ۴۴۴/۱-۴۴۵، طبع رشيدية، كوئٹة)

كما في الدر المختار: (ولا لحن فيه) أي تغني يغير كلماته، أي بزيادة حركة أوحرف أومد أوغيرها فإنه لايحل فعله وسماعه. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۷/۱، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی)

(۳) كبيری، ص: ۳۶۰، مطبوعه مكتبة رحيمية، يوپی

لازم آئے گا کہ ہر لفظ کو ساکن پڑھا جائے۔ ''أشهد، أن لا إلٰه، إلا، اللّٰه، حي، على، الصلاة'' وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اب دوسرا احتمال متعین ہوگیا اور حاصل یہ ہے کہ اذان کا ہر ایک جملہ اور قطعہ ساکن الآخر ہے جو ایک سانس میں پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً ''أشهد أن محمدًا رسول الله وغیرہ وغیرہ۔ اور چونکہ تمام فقہا کے قول پر دو تکبیریں ایک ہی جملہ کے حکم میں ہیں، اس لئے جزم واسکان کا اجراء دوسری ہی تکبیر کی رآء پر ہوگا، نہ کہ پہلی تکبیر کی رآء پر بھی۔ (۱) واللہ تعالیٰ اعلم

عبد عاثر راقم آثم۔ (فتاویٰ مفتی محمود: ۱/۸۲۴-۸۲۵)

دلائل فتحہ کا جواب:

اس قول کی بنیاد جن مقدمات پر ہے، ان میں سے ایک حدیث مذکور بھی ہے، جس کا جواب ماقبل میں درج ہو چکا ہے کہ اس سے مقصود یا تو اشباع وافراط حرکات سے منع کرنا ہے، یا ہر ایک جملہ مستقلہ کے آخری حرف کو ساکن پڑھنا ہے، نہ کہ ہر ایک لفظ مفرد کو موقوف وساکن پڑھنا، پس جب پہلی تکبیر کی رآء ساکن ہی نہ رہی، تو انتقال حرکت یا اجتماع ساکنین کے سبب اس پر فتحہ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس رآء کے سکون وجزم کو تسلیم بھی کرلیں، تب بھی ان وجوہ کی بنا پر یہ قول صحیح نہیں۔ (۲)

(الف) قول نقل حرکت: قائلین نقل کے یہاں نقل کی توجیہ یہ ہے۔

''**الأذان سمع موقوفاً في مقاطيعه و الأصل في (أكبر) تسكين الراء فحولت حركة ألف اسم (الله) إلى الراء كما في ﴿ألم-الله﴾** (ردالمحتار ۱/۲۸۴)

(یعنی اذان اپنے مواقع قطع میں موقوف سنی گئی ہے اور اکبر میں رآء کا اسکان اصل ہے، پھر اللہ کے ہمزہ کے فتحہ کا رآء کی طرف منتقل کردیا ہے، جیسا کہ الم اللہ میں ہے۔ مبرد)

جواب یہ ہے:

اولاً: خود لفظ موقوفاً ہی سے یہ نکلتا ہے کہ رآء کا سکون وقفی وغیرہ مستقل ہے نہ کہ اصلی لازمی۔

---

(۱) کما في ردالمحتار: ''أن التكبير الثانية في الأذان ساكنة الراء للوقف... وأما التكبيرة الأولى... فقيل محركة الراء بالفتحة''. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۶، طبع ایچ ایم سعید، کراچی).

كما في البحر الرائق: ''ويسكن كلمات الأذان والإقامة الخ''. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۴۸، ط: رشيدية كوئٹہ)

كما في حاشية الطحطاوي: أي يتمهل ويترسل في الأذان بالفصل بسكتة بين كل كلمتين أي جملتين إلا في التكبير الأول''. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۱۹۶، طبع دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث (الأذان جزم): ۱/۳۸۶، طبع سعيد، كراچی

چنانچہ طحطاوی، ص:۱۰۵ میں ہے:

(ویسکن کلمات الأذان والإقامة)یعنی للوقف والأولٰی ذکرہ(فی الأذان حقیقة)أی الوقف الذی لأجلہ السکون حقیقة فی الأذان لأجل الترسل فیہ،الخ. (۱)

یعنی اذان واقامت کے کلمات کو ساکن پڑھے اور اولیٰ یہ ہے کہ وقف کی قید بھی ذکر کردی جائے اور یہ وقف جس کی بنا پر سکون ہے، اذان میں حقیقۃً ہوتا ہے؛ کیونکہ اس میں ترسل کا حکم ہے۔

اور شامیہ، ص:۲۸۴ میں ہے:

"وقد کانت کلمات الأذان إعراباً إلا أنہ سمعت موقوفة". روضة، نقلاً عن المغنی. (۲)

یعنی اذان کے کلمات میں حقیقۃً اعراب ہے، لیکن مسموع موقوفاً ہی ہیں۔

پس جب سکون دائمی نہیں ہے، تو وصل کی حالت میں یہ سکون زائل ہوکر اصلی اعراب (ضمہ) لوٹ آئے گا، اور وجہ یہ ہے کہ فقہاء کرام نے دونوں تکبیروں کو ایک ہی تکبیر کے بمنزلہ قرار دیا ہے اور ان کا بمنزلہ ایک تکبیر کے ہونا اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ سکون مع انقطاع الصوت والنفس کا اجراء دوسری تکبیر کے اخیر پر کیا جائے، نہ کہ پہلی کے اخیر پر بھی، چنانچہ حقیقۃً بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اذان کے کلمات میں حقیقی وقف ہوتا ہے اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ ترک حرکت کے ساتھ ساتھ انقطاع نفس بھی ہو، پس معلوم ہوا کہ پہلی تکبیر پر وقف مسموع نہیں، نہ حقیقی نہ معنوی جو انقطاع نفس ہے۔ اب اصلی اعراب (ضمہ) متعین ہوگیا۔ (۱)

ثانیاً: 　نقل کے لئے لازم ہے کہ منقول عنہ کلام میں ثابت وقائم ہو، حالانکہ (اللہ) کا ہمزہ وصلیہ ہے، جو درج کلام میں ساقط ہوجاتا ہے، جب وہ خود ہی حذف ہوگیا، تو اب اس کی حرکت کے نقل کرنے کا کوئی معنی نہیں۔

شامی، ص ۲۸۴ میں ہے:

"ولیس لھمزة الوصل ثبوت فی الدرج فتنقل حرکتھا، آہ. نقلاً عن الروضة عن المغنی. (۴)

یعنی درج عبارت میں ہمزۂ وصل ثابت ہی نہیں رہتا کہ اس کی حرکت منتقل ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ "وصل بنیت وقف" ہے، پس اب وقف کی نیت کے سبب درجیت فوت ہوکر ہمزۂ وصل ثابت

---

(۱) حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۵-۱۹٦، طبع دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸٦/۱، طبع ایچ ایم سعید، کراچی

(۳) کما فی الشامیة: "والحاصل أن التکبیرة الثانیة فی الأذان ساکنة الراء للوقف حقیقة رفعھا خطأ". (کتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸٦/۱، طبع ایچ ایم سعید، کراچی)

(۴) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹٦/۱، طبع ایچ ایم سعید، کراچی

رہے گا اور اب اس کی حرکت کی نقل ممکن ہے، تو اس کا حل یہ ہے کہ ''وصل بنیت وقف''، عقلی وقیاسی حکم ہے جس کا نقل سے کوئی ثبوت نہیں۔ جیسا کہ ابھی طحطاوی کے حوالہ سے مذکور ہوا کہ اذان کے کلمات میں حقیقی وقف ہے نہ کہ معنوی۔(۱)

نیز ملا علی قاری کی تصریح کے موافق منقول الیہ ومنقول عنہ میں لفظی اتصال وارتباط شرط ہے، ورنہ نقل ممکن نہیں، اور چونکہ وقف کی نیت کے وقت درجیت کے فوت ہوجانے کے سبب ان دونوں (محول إليه ومحول منه) میں اتصال نہیں رہتا، اس لئے نقل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور اگر وقف کی نیت اتصال کے ثبوت کے لئے مضر نہیں، تو درجیت وانشائیت کے لئے بھی مضر نہیں ہوسکتی؛ کیونکہ جب دونوں میں لفظاً واداءً ارتباط ہوگیا، تو اس کے یہی معنی ہیں کہ ہمزۂ وصلی درج کلام میں واقع ہو رہا ہے، پس جب درجیت ثابت ہوگئی، تو بقاعدہ عربیہ مشہورہ ہمزۂ وصلی ساقط ہوجائے گا اور نقل کا حکم منقطع ہوجائے گا۔(۲)

ثالثاً: مقیس علیہ (الٓمّ اللّٰہ) میں بھی نقل کا حکم ضعیف ہے؛ کیونکہ قاضی بیضاوی کی رائے پر نقل کا سبب یہی ہے کہ حروف ہجا لفظاً مبنی اور حکماً معرب ہیں، جو اعراب کی قابلیت رکھتے ہیں اور اب وقف کی وجہ سے ساکن وموقوف ہیں، پس وصل کی صورت میں نیت وقف کی بنا پر درجیت فوت ہوجائے گی اور نقل کا حکم جاری ہوجائے گا، (۳) اور التقاء ساکنین کے سبب یہ فتحہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ وہ وقفاً محذور وممنوع نہیں ہے، قاضی کی اس علت پر بھی وہی مناقشہ ہے جو ابھی دوسرے جواب میں گزرا، کہ اگر نیت وقف ثبوت اتصال کلام کے لئے مضر نہیں، تو درج کلام کے تحقیق پر بھی اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور درج میں ہمزۂ وصلی ساقط ہوجاتا ہے ''فما معنٰی نقل حركة الهمزة الوصلية''؟ نیز جب حکمی معرب میں نقل ہوسکتی ہے، تو مبنی الاصل (حروف معانی وغیرہ) میں بطریق اولیٰ ہونی چاہئے، حالانکہ من اللّٰہ میں کسی قاری یا نحوی کا قول بھی نقل کا نہیں، پس جب مقیس علیہ کی نقل غیر صحیح ہے، تو مقیس کا آپ خود اندازہ کرلیں اس میں نقل کا حکم کہاں تک درست ہے، علاوہ ازیں یہ کہ اذان اور الٓمّ اللّٰہ کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ اذان کے کلمات تو لفظاً وحکماً معرب ہی ہیں، صرف سماعاً موقوف وساکن ہیں، اور حروف ہجا یا تو صرف حکماً معرب ہیں، یا لفظاً وحکماً دونوں لحاظ سے مبنی ہیں۔

وبالجملة الفرق بين الأذان وبين (الٓمّ اللّٰه) ظاهر فإنه ليس لـ ''الٓمّ اللّٰه'' حركة إعراب أصلاً و قد كانت كلمات الأذان إعراباً إلا أنه سمعت موقوفة. (ردالمحتار نقلا عن الروضة عن المغني و للتفصيل مقام آخر: ۲۸۴/۱)(۳)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام على حديث (الأذان جزم): ۳۸۶/۱، طبع سعيد، كراچی

(۲) كما في إرشاد الصرف: ''حكم وصلى اين كه در درج كلام وبمتحرك شدن مابعد بيفتد''. (باب أول، صرف صغير ثلاثي مزيد فيه صحيح: ۴۵، طبع إداره اشاعت كتب)

(۳) كما في هداية النحو: ''فإنه مبني بالفعل على السكون ومعرب بالقوة''. (الباب الثاني في الاسم المبني: ۴۵، طبع رشيدية كوئٹة)

(۴) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۳۸۶/۱، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی

(ب) قول التقاء ساکنین: یہ حکم متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً: یہ کہ پہلا سکون عارضی ووقفی ہے، نہ کہ لازمی ووصلی، تاکہ اجتماع ساکنین متحقق ہو، جیسا کہ ابھی ''الف'' میں گزرا ہے۔

ثانیاً: یہ کہ لام جلالہ کی تفخیم تو رفع کی صوت میں بھی باقی رہتی ہے، پس فتحہ کی کیا خصوصیت ہے، اگر اخفیت فتحہ کا قول کیا جائے، تو حل یہ ہے کہ یہاں تو سرے سے اجتماع ساکنین ہی نہیں، تاکہ ثقل کے سبب خفت کا سوال پیدا ہو، اور بصورت تسلیم یہ کہنا ممکن ہے کہ ساکن اول کی تحریک اس حرکت سے مناسب تر ہے جو اصل کے موافق ہو، میم جمع وغیرہ کی طرح اور یہاں اصل اعراب ضمہ ہی ہے۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم

دلائل جزم کا جواب:

(۱) جزم کے معنی قطع مد کے ہیں، نہ کہ حذف اعراب کے؛ کیونکہ یہ تو اصطلاح جدید ہے۔(۲)

(۲) احقر کے ناقص ترین خیال میں یہ آتا ہے کہ حدیث کا منشا یہ ہے کہ اذان واقامت کے تمام کے تمام کلمات کو ایک ہی سانس میں بولے، دو تین سانسوں میں نہیں، بلکہ قاعدہ کے موافق متعدد سانسوں میں وقفاً وقفاً، جزماً جزماً تلاوت کرنا چاہئے، اور یہ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یا ابراہیم نخعیؒ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ قرآن کی تلاوت کی طرح اذان واقامت کو بھی مسلسل ومربوط طور پر نہ کہیں، اس لئے انہوں نے یہ تاکید فرمادی، باقی اس حدیث سے بیان حرکت وسکون کا کوئی علاقہ معلوم نہیں ہوتا۔ اب رہا یہ کہ مقامات وقف وجزم کیا کیا ہیں، سو حدیث میں ان کا بیان نہیں، اس کو فقہ سے معلوم کیا جائے گا، **فمن شاء الاطلاع فليراجع المطولات** ۔اور کسی قدر تفصیل مذکورۂ بالا تحریر میں بھی درج ہو چکی ہے۔فليتأمل و ليتنبه.(۳)

(۳) وصل میں پہلی تکبیر کا سکون یا تو اس وقت درست ہے جب کہ وہ عامل جازم کی بنا پر بنائی ولازمی ووصلی ہو، یا اس صورت میں جب کہ اس کے عارضی ہونے کے باوجود ''وصل بنیت وقف'' کیا جائے۔اور ظاہر ہے کہ یہاں

(۱) كما في حاشية الطحطاوي:"وهو مخير فيما بين الضم والفتح...إذ لا يتعين الفتح في ذلك كما لا يخفىٰ".(كتاب الصلاة،باب الأذان:١٩٥،طبع دار الكتب العلمية،بيروت)

(۲) تقدم تخريجه تحت عنوان"حديث الأذان جزم"ص:٢٠٩،جزء نمبر:٢-٣ .

(۳) كما في الدر المختار:(ويترسل فيه)بسكتة بين كل كلمتين ويكره تركه.(كتاب الصلاة،باب الأذان:٣٨٧/١،طبع ايچ ايم،سعيد)

كما في حاشية الطحطاوي:"أويتمهل"يترسل(في الأذان)بالفصل بسكتة بين كل كلمتين".(كتاب الصلاة،باب الأذان:١٩٦،طبع دار الكتب العلمية،بيروت)

عامل جازم کوئی بھی نہیں، اس لئے جزم لازمی تو ہو نہیں سکتی، اور وصل بنیت وقف کا حکم قیاسی وعقلی ہے، جس کا نقل وسماع کوئی ثبوت نہیں، پس معلوم ہوا کہ وصلاً سکون وقفی زائل ہو کر اصلی محض اعرابی ضمہ عود کر آئے، اور وجہ یہ ہے کہ گو حدیث "الأذان جزم" سے اذان کے ہر جملہ پر وقفی جزم کا اجراء ثابت ہے، لیکن چونکہ تکبیر تین ایک ہی تکبیر کے حکم میں ہیں ۔اس لئے پہلی تکبیر پر وصل حکم کا جاری کرنا لازم ہے؛ کیونکہ قرآن کے بھی جن مقامات میں حدیث سے وقف مع انقطاع الصوت والنفس ثابت ہے، جیسا کہ قراءت فاتحہ کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ!

"إن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم كان إذا قرأ قطع قراء ته آیةً آیةً،یقول:"بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم، ثم یقف، الحمد للّٰه رب العالمین،ثم یقف،الرحمٰن الرحیم،ثم یقف". (الإتقان فی علوم القرآن: ۸۷/۱)(۱) کہ جب تلاوت کیا کرتے تھے، تو ایک ایک آیت پر وقف کرتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسم اللّٰه الخ پڑھ کر وقف کر دیتے، ان میں بھی وقف کرنا مسنون ومستحسن ہے نہ کہ واجب وضروری، چنانچہ فن کی رو سے ان مقامات کا وصل بھی بلاشبہ درست ہے، تو چہ جائیکہ جن مقامات میں وقف کی تصریح ہی نہیں ہے اور نہ ہی وہ قرآن کے مواقع ہیں، ان میں وقف حقیقی یا معنوی لازمی وضروری ہو اور ان میں وصل کی حالت میں اعراب کا جاری کرنا ممتنع ہو، یہ حکم عقل کے بھی نہایت خلاف ہے، لیکن عقل سلیم درکار ہے۔(۲)

﴿خلاصہ﴾ یہ کہ اذان میں ترسل مستحب ہے اور اس میں چھ تکبیروں کے علاوہ ہر جملہ پر وقف کرنا مسنون ہے اور چھ تکبیروں میں ہر دو دو ایک ایک جملہ کے حکم میں ہیں،(۳) پھر ان دو میں سے آخری تکبیر کی راء تو صرف ساکن پڑھی جائے گی اور پہلی میں ضمہ، فتحہ، جزم تینوں وجوہ کی گنجائش ہے۔(۴)

---

(۱)　عن أم سلمة قالت: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذاقرأ قطع قراء ته آيةً آيةً ﴿بسم اللّٰه الرحمن الرحیم﴾ ﴿الحمد للّٰه رب العالمین﴾ ﴿مالك یوم الدین﴾. (٪مسند أبی یعلی الموصلی،مسند أم سلمة زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم(ح: ۷۰۲۲)٪الملخصات،الجزء العاشر من الملخصات (ح: ۲۲۰۰)٪مسند الإمام أحمد،مسند أم سلمة (ح: ۲۶۵۸۳)٪سنن أبی داؤد،كتاب الحروف والقراءات (ح: ۴۰۰۱)٪سنن الترمذی،باب ماجاء كیف كان قراء ته صلی اللّٰه علیه وسلم (ح: ۲۹۲۷)٪شرح مشكل الآثار (ح: ۵۴۰۶)٪سنن الدارقطنی،باب وجوب قرأة بسم اللّٰه الرحمن الرحیم (ح: ۱۱۹۱)انیس)

(۲)　كما فی ردالمحتار: وحاصلها أن السنة أن یسكن الراء من اللّٰه أكبر الأول أویصلها باللّٰه أكبر الثانیة فإن سكنها كفی وإن وصلها نوی السكون فحرك الراء بالفتحة. (كتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۶/۱، سعید. ومثله فی الفتاویٰ الهندیة: كتاب الصلاة،الفصل الثانی فی كلمات الأذان: ۵۶/۱،رشیدیة كوئٹة)

(۳)　تقدم تخریجه تحت عنوان(دلائل جزم کا جواب)ص: ۶۱۲، جزء نمبر ۴۔

(۴)　تقدم تخریجه تحت عنوان(دلائل جزم کا جواب)ص: ۶۱۳،جزء نمبر ۲۔

لیکن قیاس وتفقہ اور قواعد عربیہ وادائیہ کی رو سے رفع والا قول ظاہر ومتبادر اور صواب اور مفتی بہ ہے اور تفصیل ما قبل میں گزر چکی ہے۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم

اقامت کی کیفیت ادا:

چونکہ اقامت میں اذان کے خلاف حدر واسراع اور عجلت وتیزی اور روانی اولیٰ اور مسنون ومحمود ہے، جیسا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ "**إذا أقمت فاحدر**"(۲) میں گزر چکا ہے، اس لئے اس کے کلمات میں اتصال وارتباط کر کے ان کو شفعاً شفعاً ادا کرنا مستحب ہے، اس طرح کہ وہ دو دو کلمات وجمل جو اذان میں دو سانسوں میں انقطاعاً پڑھے جاتے ہیں، ان کو اقامت میں ایک ہی سانس میں جملاً وصلاً ادا کریں۔ پس اس کے سترہ کلمات کو سات سانسوں میں تلاوت کریں گے، یعنی (۱) **الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر (۲) شهادتين أولیين، (۳) شهادتين أخريين، (۴) حيعلتين أولیين، (۵) حيلعتين أخريين، (٦) إقامتين، (۷) تكبيرتين وتوحيد** یعنی "**الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله**".

اور اذان کے خلاف اس میں یہ حکم حدر اس بنا پر ہے کہ اذان کا مقصود تو دعوت واعلام وتنبیہ واحضار، اظہار شعار اسلام وعظمت دین ہے، پس اس میں تو ہر جملہ کو مستقلاً ومفرداً بطور تقریر ہی کے ادا کرنا موزوں ہے، مگر اقامت کا مقصد محض قیام صلاۃ کی خبر ہے، نہ کہ احضار ودعوت، اس لئے اس میں حدر ہی مناسب ہے۔ (طحطاوی، ص: ۱۱۵)(۳)

اب رہا آخری حروف کے اعراب کا مسئلہ۔ سو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا سات موقعوں میں سے ہر ایک کے دوسرے کلمہ پر تو وقف حقیقی ہے، جو **انقطاع صوت ونفس مع ترك الحركة وإبدال التاء بالهاء** کے ذریعہ ہوگا؛ کیونکہ ابراہیم نخعی کی حدیث موقوف میں "**والإقامة جزم**"(۴) وارد ہوا ہے۔(۵)

---

(۱) كما في حاشية الطحطاوي: وهو مخبر ما قبلها بين الضم والفتح... إذ لا يتعين الفتح في ذلك كما لا يخفى. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۱۹۵، طبع دار الكتب العلمية)

(۲) مسند عبد بن حميد، من مسند جابر بن عبد الله (ح: ۱۰۰۸)/ سنن الترمذي، باب ماجاء في الترسل في الأذان (ح: ۱۹۵)/ المستدرك للحاكم، باب في فضل الصلوات الخمس (ح: ۷۳۲) انيس)

(۳) حاشية الطحطاوي: ذكر الأذان الذي هو إعلام بدخولها، وفي حاشيته؛ لأنه ذكر معظم كالخطبة. (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱۹۱-۲۰۰، طبع دار الكتب العلمية، بيروت)

(۴) أخرجه الترمذي، في باب أن خذف السلام سنة في ضمن (ح: ۲۹۷) بلفظ: وروى عن إبراهيم النخعي أنه قال: التكبير جزم والسلام جزم. انيس

(۵) وفي رد المحتار: يعني على الوقف لكن في الأذان حقيقة وفي الإقامة ينوي الوقف... وروى ذلك عن النخعي موقوفًا عليه ..."الأذان جزم"... (كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸٦، طبع ايچ ايم سعيد، كراچی)

رہا یہ ٹکڑا کا پہلا حکم، مثلاً شروع کی چار تکبیروں میں سے دوسری کا اخیر، اور شہادتین اولیین میں سے پہلی شہادت کا اخیر وغیرہ وغیرہ۔ سو ان کے بارے میں فقہا کا ظاہر کلام یہی ہے کہ ان کے اخیر حرف پر معنوی وحکمی وقف ہے، جو انقطاع نفس کے بغیر ہے، یعنی **أللّٰہ أکبر أللّٰہ أکبر** (وقف حکمی) **ألـلّٰہ أکبر أللّٰہ أکبر، أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ** (وقف حکمی) **أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، حی علی الصلاۃ** (وقف حکمی) **حی علی الصلاۃ وغیر ذلک.** (۱)

چنانچہ طحطاوی، ص: ۱۱۵، میں ہے:

(وینوی الوقف فی الإقامۃ)؛ لأنہ لم یقف حقیقۃً؛ لأن المطلوب فیھا الحدر.

(یعنی اقامت کے پہلے پہلے کلمات پر وقف معنوی کرے؛ کیونکہ اس میں حدر وسرعت کے مقصود ہونے کے سبب حقیقی وقف نہیں ہے) اور اس سے کچھ سطور پہلے یہ عبارت ہے:

"ویسکن کلمات الأذان والإقامۃ". (۲)

اور فتاویٰ عالمگیری: ۱/۵۶ میں ہے:

ویسکن کلماتھا علی الوقف لکن فی الأذان حقیقۃ وفی الإقامۃ ینوی الوقف، کذا فی التبیین. (۳)

(یعنی اذان واقامت دونوں کے کلمات کو ساکن پڑھے، لیکن اذان میں حقیقۃً مع انقطاع النفس اور اقامت میں نیۃً وحکماً بلا تنفس۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اذان واقامت میں فرق کیوں ہے کہ اذان میں تو دو تکبیروں کے درمیان وقف معنوی وحکمی جائز نہیں لکھا گیا، بلکہ اس میں بحالت وصل، جزم وسکون کے بغیر اعرابی ضمہ کو راجح وظاہر قرار دیا ہے اور اقامت میں دو کلمات کے مابین وقف معنوی جائز قرار دیا ہے، حالانکہ اصلی اعراب کی مخالفت اور قرآنی قواعد کی خلاف ورزی اس میں بھی ہے؛ کیونکہ معنوی وقف انقطاع سانس کے بغیر ہوگا، حالانکہ وقف میں قطع صوت ونفس ضروری ہے۔ تو اس کا حل یہ ہے کہ:

اولاً: تو یہ فرق خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ ان میں اذان کی دو تکبیروں کے درمیان تو نیت وقف کے خلاف تصریح موجود ہے۔ (جیسا کہ تفصیلاً پہلے درج ہو چکا ہے، ملاحظہ ہو! شامی) (۴) اور اقامت کے ہر دو کلمات کے درمیان نیت وقف کی تصریح موجود ہے، جیسا کہ ابھی گزرا۔

(۱) کما فی البحر الرائق: ویسکن کلمات الأذان والإقامۃ ...وفی الإقامۃ ینوی الوقف. (کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۱/ ۴۴۸، طبع رشیدیۃ، کوئٹۃ)

(۲) حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۱/۱۹۳-۱۹۴، طبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان

(۳) الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، الفصل الثانی: ۱/۵۶، طبع علوم إسلامیۃ چمن

(۴) ردالمحتار: ویجزم الراء أی یسکنھا فی التکبیر ...لکن فی الأذان حقیقۃ. (کتاب الصلاۃ، باب الأذان: ۱/۳۸۶، طبع سعید کراچی)

ثانیاً: وصل بنیت وقف بھی قراءت ادا کا ایک مستقل قاعدہ ہے، جو حسب مقام ونقل جاری ہوتا ہے اور اس میں انقطاع نفس نہیں ہوتا۔ پس قواعد قرآنیہ کی مخالفت لازم نہ آئی۔

ثالثاً: اگر قرآنی قواعد کی مخالفت تسلیم بھی کر لیں تو غیر قرآن میں اس کا تحمل ہوسکتا ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

(فتاویٰ مفتی محمود: ۸۲۲/۱-۸۳۲)

اذان میں ''اللّٰہ أکبر ،اللّٰہ أکبر'' پڑھنے کا طریقہ:

سوال: اذان دیتے وقت ''اللّٰہ أکبرُ اللّٰہ أکبر'' یعنی پہلی ''راء'' پر پیش لگا کر لام سے ملا کر اذان دیتا ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے ''اللّٰہ أکبرْ اللّٰہ أکبرْ''، یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے، اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے، اگر پہلی راء پر حرکت پڑھتا ہے تو زبر پڑھے۔ اس طرح ''اللّٰہ أکبرَ اللّٰہ أکبرُ'' پیش لگا کر پڑھنے کو ردالمحتار: ۲۵۹/۱، میں خلاف سنت لکھا ہے۔(۲)

دوسرے ''أکبر'' کی ''راء'' کو بہر حال ساکن پڑھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۲/۵/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۹/۵)

اذان واقامت کا صحیح طریقہ:

سوال: عام طور پر قاری صاحبان اقامت یوں کہتے ہیں ''اللّٰہ أکبرُ، اللّٰہ أکبرْ''، یعنی پہلی تکبیر کی را کو مرفوع پڑھتے ہیں، اور دوسری تکبیر میں اسم اللہ کے الف کو ساقط کر کے ملاتے ہیں۔ اسی طرح ہر پہلے کلمہ پر اعراب پڑھتے ہیں ''أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ،أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ،أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ''، اسی طرح ''حی علی الصلوٰۃ،حی علی الفلاح''، ''قد قامت الصلوٰۃ'' پڑھتے ہیں۔ یہ

(۱) ردالمحتار: وفی الإقامة ینوی الوقف. کتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۶/۱،طبع ایچ ایم سعید،کراچی

(۲) ''وحاصلها أن السنة أن یسكن الراء من ''اللّٰہ أکبر''الأول؛ أو یَصِلها''باللّٰہ أکبر''الثانیة،فإن سكنها كفی،وإن وصلها نوی السكون،فحرك الراء بالفتحة،فإن ضمها خالف السنة؛لأن طلب الوقف علیٰ''أکبر''الأول صیره كالساكن إصالة،فحرك بالفتح''.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب الأذان: ۳۸۶/۱، سعید)

''وقد صنف الشیخ النابلسی فی هٰذه المسئلة رسالة سماها:''تصدیق من أخبر بفتح راءِ اللّٰہ أکبر''،خلاصة ما ذكره فیها أن السنه أن یسكن الراء ویصلها،فإن سكنها كفی ذلك،وإن وصلها نوی السكون فحرك الراء بالفتحة فلتراجع''.(السعایة فی کشف ما فی شرح الوقایة،کتاب الصلاة،باب الأذان: ۱۵/۲،سهیل اكیڈمی،لاهور)

طریقہ اصول کے مطابق ہے۔مگر معلوم ہوا ہے کہ آپ اس کو خلاف سنت فرماتے ہیں۔لہذا اس کی وضاحت مطلوب ہے؟ بینواتو جروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اذان اور اقامت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ ہر کلمہ کو ساکن پڑھا جائے۔اذان میں ہر کلمہ پر وقف کرے اور اقامت میں دو کلمات کے بعد،مگر پہلے کلمہ کو بھی بنیت وقف ساکن پڑھے،"قد قامت الصلوٰة" بھی دو مرتبہ اسی طرح کہے، اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے،اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی رآء پر رفع پڑھنا خلاف سنت ہے،اس کو ساکن پڑھنا چاہئے،یا مفتوح کرکے دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔

قال فی شرح التنویر: وبفتح راء أكبر والعوام يضمونها.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ بعد ذكر النقول المختلفة: والحاصل أن التكبيرة الثانية فی الأذان ساكنة الراء للوقف حقيقة ورفعها خطأ،وأما التكبيرة الأولىٰ من كل تكبيرتين منه وجميع تكبيرات الإقامة فقيل محركة الراء بالفتحة علىٰ نية الوقف وقيل بالضمة إعراباً وقيل ساكنة بلا حركة علىٰ ما هو ظاهر كلام الإمداد والزيلعی و البدائع وجماعة من الشافعية.

(وبعد أسطر): ثم رأيت لسيدی عبد الغنی رسالة فی هذه المسئلة سماها" تصديق من أخبر بفتح راء الله أكبر"أكثر فيها النقل.

وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول أو يصلها بالله أكبر الثانية فإن سكنها كفىٰ وإن وصلها نوى السكون فحرک الراء بالفتحة فإن ضمها خالف السنة لأن طلب الوقف علىٰ أكبر الأول صيره كالساكن إصالة فحرک بالفتح.(رد المحتار: ۳۵۸/۱)(۱)فقط والله تعالىٰ أعلم

۱۳/ذی قعدة ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲/۲۹۵-۲۹۶)

اذان دینے کا مسنون طریقہ:

سوال: اذان میں سب " الله أكبر " ایک سانس میں یا دو سانس میں یا چار سانس میں بہتر کونسا ہے۔ایک مولوی صاحب یہاں کہتے ہیں کہ!" الله أكبر" اگر مل کر کہا جائے،تو"رو الله أكبر" (یعنی رآء کو لفظ اللہ میں ملایا جائے) تب بھی درست ہوگا،کیا یہ بات درست ہے؟اس سلسلہ میں یہاں اختلاف بڑھ رہا ہے۔آپ صحیح مسئلہ سے واقفیت فرماویں؟

---

(۱) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان،مطلب فی الكلام علىٰ حديث:"الأذان جزم": ۳۸٦/۱.انيس

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

شامی میں ہے:

(قوله بفتح راء أكبر)...وحاصلها: أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول أويصلها بالله أكبر الثانية فإن سكنها كفى وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة فإن ضمها خالف السنة لأن طلب الوقف علىٰ أكبر الأول صيره كالساكن إصالة فحرك بالفتح.(۱)

علامہ شامی نے اس موقعہ پر بہت عمدہ بحث فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اذان کے شروع میں چار مرتبہ الـلّٰہ أكبـر دو سانس سے کہنا سنت ہے، ایک سانس میں دو مرتبہ، پھر دوسری سانس میں دو مرتبہ اور ہر سانس میں پہلی الـلّٰـہ أكبر کی رآء کو ساکن پڑھیں (الـلّٰہ أكبرْ اللّٰہ أكبر) یا پہلی اللّٰہ أكبر کی راء کو فتحہ پڑھیں، یہ دونوں طریقہ سنت ہے اور پہلی الـلّٰـہ أكبر کی رآء کو ضمہ (پیش) پڑھنا خلاف سنت ہے۔لہذا جولوگ الـلّٰـہ أكبر اول کی رآء کو ضمہ (پیش) پڑھتے ہوئے ''رو اللّٰہ أكبر'' پڑھتے ہیں، وہ غلط پڑھتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔۲۷/۴/۱۳۸۷ھ۔الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۸۰-۸۱)

اذان اور اقامت میں''أكبر'' کی''راء'' کو''اللّٰہ'' کے ''لام'' کے ساتھ ملاکر پڑھنا:

سوال: ''اللہ'' کا ہمزہ اصلی ہے، اذان میں ''اکبر'' کی ''راء'' کو ''ل'' کے ساتھ ملاکر ہمزہ وصلی کو گرا کر پڑھنا یعنی ''اللّٰہ أكبر، اللّٰہ أكبر،، پڑھنا اور اس طریقہ پر تکبیر میں پڑھنا پہلے ''اللّٰہ أكبر،، کے ''لام'' کے ساتھ ملا دیا جائے اور ہمزہ اصلی کو گرادیا جائے تو جائز ہے یا نہیں اور اسی طرح تکبیر ''حی على الصلاة وحی على الفلاح'' کا پڑھنا، الخ، کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

اعلیٰ بات یہ ہے کہ ''اللّٰہ أكبر '' کی ''راء'' کو ساکن پڑھا جائے اور اس پر سکتہ کیا جائے، اگر ملایا جائے اس طرح کہ دوسرے ''اللّٰہ أكبر '' کے ''الف وہمزہ'' کو ساقط کیا جائے اور ''الف'' کا فتحہ ''راء'' پر لے آیا جائے، اگر ''راء'' پر بجائے فتحہ کے ضمہ پڑھا جائے جو کہ ضمۂ اعراب ہے، تو بعض حضرات نے اس کی بھی اجازت دی ہے، بعض نے اس کو خلاف سنت فرمایا ہے، اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے؛ جس کا نام '' تصديق من أخبر لفتح راء اللّٰہ أكبر''۔

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان، مطلب في الكلام علىٰ حديث: "الأذان جزم": ۳۸۶/۱، انیس

شامی میں لکھا ہے:

"حاصلها أن السنة أن يسكن الراء من "الله أكبر" الأول؛أو يَصِلها "بالله أكبر" الثانية،فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوىٰ السكون،فحرك الراء بالفتحة،فإن ضمها خالف السنة؛لأن طلب الوقف علىٰ "أكبر" الأول صيره كالساكن إصالة،فحرك بالفتح".(رد المحتار: ۲۵۹/۱) (۱)

اذان واقامت دونوں کا حکم یہی ہے۔

اقامت میں "حی علی الصلاۃ" اور "حی علی الفلاح"، اور "قدقامت الصلاۃ" پر سکتہ انسب ہے،اگر مجرور پر جراور مرفوع پر رفع پڑھیں تب بھی اقامت درست ہوجائے گی۔(۲)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۴۱۰/۵-۴۱۱)

"اللّٰہ أکبر" کی 'راء' کولام کے ساتھ ملانا:

سوال: اذان واقامت میں "اللّٰہ أکبر" کی 'راء' کو'لام' کے ساتھ ملا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اذان واقامت میں 'راء' پر جزم پڑھی جائے 'لام' کے ساتھ نہ ملائی جائے۔فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،۲۳/۹/۱۴۰۷ھ۔الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۲۱۱/۲)

اذان میں کلمات کو کھینچنا:

سوال: اگر کوئی مؤذن اذان کو کھینچ کر پڑھتا ہے اور آواز کو بناتا ہے اور الفاظ اذان صحیح ہیں تو کیا اذان ہوجاوے گی ؟اور اگر صحیح نہیں پڑھتا ہے صرف آواز اچھی ہے،اس وجہ سے عوام اس کو چاہتے ہیں تو کیا اس مؤذن کی اذان اور اقامت ہوجائے گی؟ آیا نماز ہوگی کہ نہیں اور اگر اذان صحیح طریقہ سے پڑھتا ہے اور تکبیر میں غلطی ہے تو کیا صورت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

بے موقع کھینچنا جس سے الفاظ مسخ ہوجائیں، درست نہیں۔(۳)ایسی اذان کا اعادہ کیا جاوے۔(۴)

---

(۱) رد المحتار،کتاب الصلاۃ، باب الأذان،مطلب فی الکلام علی حدیث:"الأذان جزم": ۳۸۶/۱،سعید

(۲) "ویسکن کلمات الأذان والإقامة،لکن فی الأذان ینوی الحقیقة،وفی الإقامة ینوی الوقف"."روی عن إبراهیم النخعی أنه قال:شیئان یجزمان کانوا لایعربونهما:الأذان والإقامة، یعنی علی الوقف".(البحر الرائق مع المنحة،کتاب الصلاۃ،باب الأذان: ۴۴۸/۱،رشیدیة)

(۳) ومنها ترک التلحین فی الأذان؛لما روی أن رجلاً جاء إلی ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما فقال:إنی أحبک فی اللّٰه تعالیٰ،فقال ابن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما:إنی أبغضک فی اللّٰه تعالیٰ.فقال: لِمَ؟ ==

تکبیر میں بھی اگر ایسا ہی حال ہو وہ بھی درست نہیں ہے اس سے سنت ادا نہیں ہوگی۔(۱)
صحیح پڑھنے والے کو مؤذن ومکبر مقرر کیا جاوے۔(۲)

== قال:لأنه بلغني أنك تغني في أذانك،يعني التلحين".(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل في بيان سنن الأذان: ١/٦٤٤،دار الكتب العلمية، بيروت)

"سنّ للفرائض بلا ترجيع ولحن".(كنز الدقائق)

وقال ابن نجيم:(قوله ولحن)...ولهٰذا فسره ابن الملك بالتغني بحيث يؤدي إلٰى تغيير كلماته،وقد صرحوا بأنه لايحل فيه،وتحسين الصوت لابأس به من غير تغن،كذا في الخلاصة".(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ١/٤٤٢-٤٤٦،رشيدية)

قال رحمه الله تعالىٰ:بلا ترجيع ولحن.(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق)

قال الشيخ الشلبي:(قوله ولحن)قال الشيخ باكير رحمه الله تعالىٰ عند قوله،بلا ترجيع ولحن فيقال:لحن في القراءة طرب وترنم،مأخوذ من إلحان الأغاني،فلا ينقص شيئاً من حروف ولا يزيد في أثنائه حرفاً،وكذا لا يزيد ولا ينقص من كيفيات الحروف كالحركات والسكنات والمدات وغير ذلك لتحسين الصوت،فأما مجرد تحسين الصوت بلا تغيير،فإنه حسن ، آه".(حاشية الشيخ الشلبي علىٰ تبيين الحقائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ١/٢٤١،دار الكتب العلمية،بيروت)

(۴) "وكذا كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها".(الدر المختار)

قال ابن عابدين:" أقول:وقد ذكرنا في الإمداد بحثاً أن كون الإعادة بترك الواجب واجبة لايمنع أن تكون الإعادة مندوبة بترك سنة آه،ونحوه في القهستاني،بل قال في فتح القدير:والحق التفصيل بين تلك الكراهة كراهة تحريم فتجب الإعادة،أوتنزيه،فتستحب، آه".(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ١/٤٥٧،سعيد)

<u>حاشيه صفحه هذا:</u>

(۱) "وإذا أراد الشروع في الصلاة كبر...بالحذف إذ مد الهمزتين مفسد، وتعمده كفر، وكذا الباء في الأصح".(الدر المختار،كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ١/٤٧٩-٤٨٠،سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ:وكبر بلا مد لما روينا،ولما روى عبد الله بن الزبير رضي الله تعالىٰ عنهما أنه قال:صليت خلف رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم،فكان لايتم التكبير:أي لايمد.وكان إبراهيم النخعي يقول:التكبير جزم، ويروى خذم بالخاء والذال:أي سريع".(تبيين الحقائق)

وفي حاشية الشيخ الشلبي:"قوله:وكبر بلا مد لما روينا أي من أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يكبر عند كل خفض ورفع".(تبيين الحقائق مع حاشية الشلبي،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ١/٢٩٦،دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "والأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً ــ مجمع الأنهر ــ الأعلم بأحكام الصلاة ثم الأحسن تلاوةً وتجويداً للقراءة".(الدر المختار)

وفي رد المحتار:"(قوله:ثم الأحسن تلاوةً وتجويدًا)أفاد بذلك أن معنىٰ قولهم أقرأ أي أجود،لا أكثرهم حفظاً و إن جعله في البحر متبادرًا،ومعنى الحسن في التلاوة أن يكون عالماً بكيفية الحروف والوقف وما يتعلق بها،قهستاني".(كتاب الصلاة،باب الإمامة: ١/٥٥٧،سعيد) ==

"(ولا لحن فيه): أى تغنى يغير كلماته،فإنه لايحل فعله وسماعه،آه". (الدر المختار)

"(قوله يغير كلماته): أى بزيادة حركة،أوحرف،أومد،أوغيرها فى الأوائل والأواخر،آه". (رد المحتار)(۱)فقط واللّٰه سبحانه تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۴۱۱-۴۱۳)

کیا اذان میں 'مد' کرنا جائز ہے:

سوال: موذن حضرات اذان کو اتنا لمبا کرکے پڑھتے ہیں کہ مد متصل سے بھی بڑھاتے ہیں، کیا یہ اذان جائز ہے؟ حالانکہ "حى على الصلاة" اور "حى على الفلاح" پر کوئی مد نہیں ہے، یہ حضرات کیوں اتنا کھینچتے ہیں؟

الجواب

"حى على الصلوٰة" اور "حى على الفلاح" پر وقف کی وجہ سے مد صحیح ہے، اذان کے کلمات کو اتنا کھینچنا جائز نہیں کہ حروف والفاظ میں خلل واقع ہوجائے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۲۹۷)

اذان کے کلمات میں کتنا مد کیا جائے:

سوال: مکرم ومحترم حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج فجر کی اذان کی آواز پر تحقیق کرنے پر ظاہر ہوا کہ دارالعلوم کی مسجد کی اذان ہے، اور اس طرح ہوئی ہے، متعدد کلمات میں مد زیادہ مسموع ہوا، نیز بعض کلمات میں تمطیط بھی ظاہر ہوئی، اس سلسلہ میں اپنی معلومات کی بنا پر ایسی اغلاط کی اصلاح کی سعی کرتا رہتا ہے۔ براہ کرم آپ بھی اپنی تحقیق سے مطلع فرما کر ممنون فرماویں؟

== "عن أبى مسعود الأنصارى رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

"يؤم القوم أقرأهم لكتاب اللّٰه،فإن كانوا فى القراءة سواءً،فأعلمهم بالسنة،فإن كانوا فى السنة سواءً، فأقدمهم هجرة،فإن كانوا فى الهجرة سواءً،فأقدهم سلماً. ولا يؤمن الرجل الرجل فى سلطانه،ولايقعد فى بيته علىٰ تكرمته إلا بإذنه"قال الأشج فى روايته مكان سلماً: سناً". (الصحيح لمسلم،كتاب المساجد،باب من أحق بالإمامة: ۱/۲۳۶، قديمى)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۱/۳۸۷،سعيد

(۲) ويكره التلحين وهو التغنّى بحيث يؤدّى إلىٰ تغير كلماته كذا فى شرح المجمع لابن الملك،وتحسين الصوت للأذان حسن ما لم يكن لحنا،كذا فى السراجية. وهٰكذا فى شرح الوقاية. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۵۶،الفصل الثانى فى كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما)

(ويكره التلحين)أى التغنى بحيث يؤدى إلى تغيير كلماته ولولم يلحقه تغير لابأس به. (مجمع البحرين وملتقى النيرين مع شرح المجمع لابن ملك،فصل فى الأذان: ۱/۱۱۱،دارالكتب العلمية. انيس)

"ومن ثم تأكد على المؤذنين أن يحترزوا من أغلاط يقعون فيها فإن بعضها كفر وبعضها لحن خفى كترك إدغام دال محمد فى راء رسول الله صلى الله عليه وسلم ومد ألف الله والصلوٰة والفلاح، إلخ. (المرقاة شرح المشكوة، ج: ١، باب الأذان) (أى المد الطبعى) مقدار ألف وصلاً و وقفاً نقصه عن ألف حرام شرعاً فيعاقب علىٰ فعله ويثاب علىٰ تركه. فمايفعله بعض أئمة المساجد وأكثر المؤذنين من الزيادة فى المد الطبعى علىٰ حده العرفى أى عرف القراء فمن أقبح البدع وأشد الكراهة وقد يقتدى بهم بعض الجهلة من القراء. (نهاية القول المفيد فى علم التجويد)

(المستفتى: ابرار الحق)

(حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم (رحمہ اللہ)، خلیفہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

محترمی المحترم دامت برکاتهم وعمت وتمت بالخير والعافية　　السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

جناب والا احقر کے نزدیک مستند ہیں اور آپ کی سب باتیں سند کے درجہ میں سمجھتا ہوں، پس جتنی باتیں آنجناب نے مرقاۃ شرح مشکوۃ سے نقل فرمائی ہیں، وہ سب بھی صحیح ہیں، جناب کا اتنا فرما دینا بھی کافی تھا کہ مؤذنین کی غلطیوں کی اصلاح کرواور اس طرح کرواور بس، مگر جناب نے فرمادیا کہ اپنی تحقیق سے مطلع کرو، اس کی تفصیلات تتميماً للفائدة چند روایات جواذان سے متعلق ہیں، پہلے نقل کر دی جاتی ہیں۔ مثلاً:

(۱)　أبو داؤد شريف، باب كيف الأذان يرفع، کہ صاحب رؤیا عبداللہ بن زید کو خوداذان دینے کا حکم دینے کے بجائے حضرت عبداللہ بن زید کو حکم فرمایا کہ!"قم مع بلال فألق عليه مارأيت فليؤذن به فإنه أندىٰ صوتًا منك" فقمت مع بلال، إلخ. (۱)

اسی حدیث پاک کے اندر اشارہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پر شارح مشکوٰۃ صاحب "أشعة اللمعات" باب كيف الأذان میں أندىٰ صوتًا منك کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں:

"زیرا کہ بدرستی تیز تر وبلند تر وشیریں تر است"۔ (۲)

(۲)　عن أبى هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" المؤذن يغفر له مدى صوته ويشهد له كل رطب ويابس وشاهد الصلوٰة". (مشكوٰة المصابيح: ۱) (۳)

(۱)　سنن أبى داؤد، باب كيف الأذان (ح: ٤٩٩) انيس)

(۲)　أشعة اللمعات شرح مشكاة المصابيح، باب كيف الأذان:

(۳)　سنن ابن ماجة، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين (ح: ٧٢٤)/ سنن أبى داؤد، باب رفع الصوت بالأذان (ح: ٥١٥)/ سنن النسائى، باب رفع الصوت (ح: ٦٤٥) انيس)

قال فی التعلیق: ... مدی الشیء غایته، والمعنی أنه یستکمل مغفرة اللّٰه تعالٰی إذا استوفی وسعه فی رفع الصوت.(۱)

(۳) اسی کی تشریح (البحر الرائق:۱/۲۷۹) میں اس باب میں ہے:

وإن کان فی الصحراء أویرفع(الصوت)للترغیب الوارد فی الحدیث فی رفع صوت المؤذن " لایسمع مدی صوت المؤذن إنس ولا جن ولا ملک إلا شهد له یوم القیامة".

(۴) زیر تشریح اسی حدیث پاک:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:"إذا نودی للصلٰوة أدبر الشیطان له ضراط حتٰی لایسمع التأذین" إلخ.عن الشیخین.(مشکوٰة شریف،ص:٦٤)(۲)

(۵) عن قتادة قال:سئل أنس کیف کانت قراءة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم،فقال:کانت مدًا مدًا ثم قرأ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم بمد بسم اللّٰه وبمد الرحمٰن وبمد الرحیم". رواه البخاری.(مشکوٰة شریف،ص:۱۹۰)(۳)

وتحت قول بمد بسم اللّٰه کانت مدًا:أی ذات مد والمراد منه تطویل النفس فی حروف المد واللین عند الفصول والغایات وفی غیر ذلک مما یحسن المد لفظه.(التعلیق الصبیح:۲۹/۳)

اس روایت سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ تلاوت کرنا سراً بھی بلا کراہت جائز ہے،لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہراً قراءت فرماتے تو بکثرت مد فرماتے،حتی کہ بسم اللہ کو بھی مد کے ساتھ قراءت فرماتے اور الرحمٰن کو بھی مد کے ساتھ قراءت فرماتے اور رحیم کو بھی مد کے ساتھ قراءت فرماتے،اور شراح حدیث رحیم کے مد کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

أی(کانت)ذات مد والمراد منه تطویل النفس فی حروف المد واللین عند الفصول والغایات وغیر ذلک مما یحسن المد لفظه.(التعلیق الصبیح:۲۹/۳)

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تلاوت ہمیشہ جہراً ہونا لازم نہ ہونے کے باوجود جب جہراً تلاوت کا موقع آیا،تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مداً مداً تلاوت فرماتے تھے۔کما مر فی روایة البخاری ومسلم. اور اسی طرح "بسم اللّٰه" میں بھی مد فرماتے،"رحمٰن" میں بھی مد فرماتے،"رحیم" میں بھی مد فرماتے،نیز موقع بموقعہ ہر جگہ مد فرماتے

(۱) التعلیق الصبیح علی مشکوٰة المصابیح،باب فضل الأذان وإجابة المؤذن:۲۹۹/۱،دمشق.انیس

(۲) موطأ الإمام مالک ت:أبو مصعب الزهری،باب ماجاء فی النداء(ح:۱۸۵)/الصحیح للبخاری،باب فضل التأذین(ح:٦٠٨)/الصحیح لمسلم،باب السهو فی الصلاة والسجود له(ح:۳۸۹)انیس)

(۳) الصحیح للبخاری،باب مد القراءة(ح:٥٠٤٦)/المعجم الصغیر للطبرانی،من اسمه عبدالعزیز(ح:٧١٥)/المستدرک للحاکم،أما حدیث أنس(ح:۸۵۲)انیس)

اور یہ مد کرنا اگر چہ فن تجوید کے اعتبار سے مد اصطلاحی نہیں ہوتا تھا، بلکہ تحسین صوت کے لیے تطویل نفس اس طرح ہوتا تھا کہ سننے والے اس کو مد سمجھتے تھے، پس تلاوت جس میں جہر ہر حال میں لازم نہیں، مگر جب جہر فرماتے تو تحسین صوت کے لیے بشکل تطویل نفس مد فرماتے، خواہ لغوی ہی ہو، تو اذان صلوٰۃ میں مدیٰ صوتہ وغیرہ روایات (۱) کے مطابق مؤذن کا اپنی پوری طاقت وقوت کے ساتھ جہر کرنا شرعاً مطلوب ہے۔ اس لیے اس جہر میں تحسین صوت کے لیے حدود شرع میں رہتے ہوئے مد کرنا شرعاً مطلوب ہوگا، انہی وجوہ سے (فقہ ائمۂ اربعہ: ۱/۳۲۱) میں "بیان مندوبات الأذان و سننه" میں حنفیہ کا قول بایں الفاظ منقول ہے:

"قالت الحنفية: التغني في الأذان حسن إلا إذا أدّى إلىٰ تغير الكلمات بزيادة حركة أو حرف فإنه يحرم ما فعله لايحل سماعه".

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "مرقاة شرح مشكوٰة، باب الأذان" وغیرہ سے جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں، وہ سب واجب اللحاظ و العمل ہیں اور ان سب روایات وعبارت ودلائل کا حاصل یہ نکلا کہ اذان کے کسی کلمہ میں کسی حرکت یا حرف کی زیادتی وکمی کے بغیر اور آواز بگاڑنے کے بغیر "مدی صوته" وغیرہ دلائل کے پیش نظر اپنی بلند سے بلند آواز سے اسی طرح اذان دی جائے کہ اس میں گانے کی آواز بن جانے کا کوئی شائبہ نہ آوے، ہاں اگر تحسین صوت کے لیے تطویل نفس (سانس کھینچنا) کرنے سے مد لغوی کی صورت پیدا ہو جائے، تو اس میں مضائقہ نہ ہوگا، جیسا کہ عبارت...... سے ظاہر ہے، بشرطیکہ اہل تجوید اور مجودین کے اصول کے خلاف اور ان کا اصطلاحی مد نہ ہو جائے۔

اس تمہید کے بعد اب احقر اپنے عامیانہ اور سادے الفاظ میں بعض ان خرابیوں کی نشاندہی کرتا ہے، جو بعض مؤذنین میں پائی جاتی ہیں، مثلاً لفظ "أشهد" کو "أشدو" پڑھ رہے ہیں، ان میں لحن جلی ہو جاتا ہے، جو ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح لا إلٰه میں لآ کو اتنا کھینچ دیتے ہیں جو إلٰه سے کٹ کر الگ ہو جاتا ہے، یہ فعل تقطیع کہلاتا ہے، جو حرام وناجائز ہے۔ مانا کہ لا إلٰه میں لام کے اندر مد طویل اصلی ہے، مگر اس کو اہل تجوید کے مد اصلی سے زائد نہ ہونا چاہیے، ورنہ تقطیع مذکور ہو کر ممنوع وحرام ہو جائے گا۔

اسی طرح لفظ "اللّٰه" کے الف کو، صلاۃ وفلاح کے الف کو اس طرح اتار وچڑھاؤ سے ادا کرتے ہیں کہ تطریب اور ارتعاش پیدا ہو کر، بسا اوقات تقطیع بھی پیدا ہو کر ہمزہ کی زیادتی بھی معلوم ہو جاتی ہے اور آواز الف میں اَءَ اَءَ کی آواز پیدا ہو کر، لحن جلی بھی پیدا ہو کر ممنوع وحرام وناجائز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کی اور جو بعض خرابیاں بعض مؤذنین میں پیدا ہو جاتی ہیں جیسا کہ مرقاۃ شریف، مشکوٰۃ شریف کی شرح میں مذکور ہے، ان سب سے بھی احتراز واجب ہے، چوں کہ

(۱) أخرجه ابن ماجة في سننه، باب فضل الأذان وثواب المؤذنين (ح: ٧٢٤)/ وأبوداؤد، في باب رفع الصوت بالأذان (ح: ٥١٥)/ والنسائي، في باب رفع الصوت (ح: ٦٤٥) انیس)

استفتا میں بعض ائمۂ مساجد کی تلاوت فی الصلوٰۃ کی کوتاہیوں اور ان کی اصلاح کی جانب بھی اشارہ ہے۔اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موٹی موٹی بعض کوتاہیوں کو بتلا کر اصلاح کی جانب ان کی توجہ مبذول کرادی جائے، بعض اچھے خاصے قاری، مگر نماز میں اس طرح قراءت فرماتے ہیں کہ ان کی قراءت منہ کے اندر ہی رہ جاتی ہے، پتہ نہیں چلتا ہے کہ کیا پڑھ رہے ہیں، پس اگر بھاری آواز ہے، تو بسا اوقات غل بل غل بل پر کراونٹ کی آواز کے مثل آواز ہوجاتی ہے اور اگر باریک آواز ہے، تو کبوتر وقمری کی آواز کی طرح ہوجاتی ہے۔حالاں کہ یہ آیت کریمہ ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآن ﴾(۱) کا مفہوم یہ ہے کہ ہر لفظ اپنے صحیح مخرج سے اس طرح نکلے کہ ہر کلمہ متبین ومتمیز ہوکر الگ الگ موتی کی طرح بکھرے ہوئے اور صاف مسموع ہوں کہ سننے والے کا ذہن ان کے مفاہیم کی جانب متوجہ ہوسکے، جیسا کہ مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے، اسی طرح بعض حضرات صاف تو پڑھتے ہیں، مگر طریقہ پڑھنے کا غلط ہوتا ہے۔

مثلاً: "الحمد" ایک الگ کلمہ ہے، اس کو الگ متبین ومتمیز ہونا چاہیے اور "للّٰہ" الگ کلمہ ہے، اس کو الگ متبین ومتمیز ہونا چاہیے اور "رب العالمین " الگ کلمہ ہے، اس کو الگ متبین ومتمیز ہونا چاہیے، مگر پڑھنے میں " الحم " کی میم پر اس طرح زور دیتے ہیں کہ اس کی دکٹ کر الگ اور "للّٰہ" کے ساتھ مل کر "دُللّٰہ" کی آواز بن جاتی ہے، اسی طرح " لِلّٰہ " ایک الگ کلمہ ہے، مگر "لِلّٰہ" میں لام کو اتنا زور دیتے ہیں کہ وہ کٹ کر "رب العالمین" کے ب کے ساتھ مل جاتی ہے اور متصل ہوجاتی ہے۔ "رب العالمین "ایک الگ کلمہ ہے، اس کو صرفی ونحوی قواعد کی رعایت کے ساتھ ہونا چاہیے، مگر تلفظ بگڑ کر ترتیل الحم الگ اور للّٰہ الگ اور ھا الگ اور "رب العالمین" کا ربّ الگ ہوکر غتر بود ہوجاتا ہے۔" العالمین "معرف باللام ہے، یہ اس لیے صرفی ونحوی ضابطہ کے مطابق بّ "العالمین" سے مل گئی اور لغوی وصرفی ضابطہ معانی کے مطابق پڑھنے کی وجہ سے غلطی شمار نہ ہوگا، پھر "اِیَّاکَ" کاف فتحہ کے ساتھ ایک الگ اور مستقل لفظ ہے، محض "ایّا "کوئی لفظ نہیں ہے، مگر اس کے پڑھنے میں "ایّا" کو اتنا زور دیتے ہیں کہ کاف کا فتحہ رواں نہیں رہا، بلکہ کَ "نستعین" کے ساتھ ملحق ہوکر معنی میں بگاڑ پیدا ہوجائے، اسی طرح "مغضوب علیھم" میں ضٓ ہے، ضٓ کو دالؔ سے بدل کر صاف "مغدوب علیھم" پڑھ دیتے ہیں، اس غلطی سے یہ کلمہ سہل ہوجاتا ہے اور قرآنی لفظ نہیں رہتا ہے، اسی طرح "و لا الضالّین "ضٓ سے ہے، مگر ضٓ کو دالؔ سے بدل کر صاف "و لا الدالّین" پڑھ دیتے ہیں، جس سے معنی کفری پیدا ہوجاتے ہیں، اس لیے کہ "و لا الضالّین "کے معنی ہیں، ہم کو گمراہوں کا راستہ نہ دکھا اور "و لا الدالّین" کے معنی ہیں، راہبروں اور راہنماؤں کا راستہ نہ دکھائے۔

پھر اس سوال کا جواب کہ پھر نماز کے فاسد ہوجانے کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا، یہ جواب کتب فقہ میں دیکھئے، یہ بحث خارج از موضوع ہے، یہاں تو صرف دکھانا مقصود ہے کہ فن تجوید سے کیا کیا غلطیاں اور کس درجہ کی سرزد ہوتی ہیں۔

(۱) سورۃ المزمل: ٤۔انیس

چنانچہ عربی زبان میں ''ض،ظ،ذ،ز''، ہر ایک الفاظ ہیں اور ان سب کے صفات لازمہ الگ الگ ہیں اور صفات لازمہ ہی سے آواز پیدا اور متمیز ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ضؔ کے اندر پانچ صفات لازمہ ہیں، ان میں سے تین صفات لازمہ وہی ہیں جو''ظ'' کے صفات لازمہ ہیں، لہذا ''ض،ذ،ظ''، کی آواز میں تو کچھ مشابہت ہوسکتی ہے، نہ کہ ذ،ز،د، کی آواز کے ساتھ، اس لیے کہ ان کے صفات لازمہ میں سے بعض حروف میں کوئی مشابہت نہیں ہے، جو انہیں میں اس کے مشارکۃ فی الذات کا اور بعض میں دیگر مشارکت ہے، تو حروف دوایک وصف میں سے ہے کہ یہ مشارکت صفات لازمہ کی 'ذ' کے ساتھ نہ ہونے کے باوجود 'ض'، کو 'ذ'، کی آواز کیوں اور کہاں سے پڑھا جائے گا۔

اگر کہا جائے کہ عرب کے لوگ آج کل اسی طرح پڑھتے ہیں تو یہ کوئی شرعی وجہ نہیں، اس لئے کہ بہت سے عرب کے لوگ آج کل 'ق' کو 'گ' پڑھتے ہیں اور بہت حاء حطی، خاء ثخذ پڑھتے ہیں وغیرہ، بلکہ احقر کے تجربہ ومشاہدہ میں تو یہ ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں لفظ 'ض' ہے، اگر اس کو لفظ 'ذ' سے پڑھا جائے، تو پھر یا تو معنی کفری پیدا ہوجائیں گے۔ جیسے: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾(۱) میں '' فَتَرْذٰى ''پڑھنے میں کفری معنی پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور ایسا ہی حال اور بھی بہت سی آیات میں ہوتا ہے اور بعض آیات میں معنی فاسد ہوجاتے ہیں۔ جیسے: ﴿اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (الآیۃ) (۲) میں ض کو بدل کر د پڑھ دیں گے، تو ''اَقْرِدُوا اللّٰهَ قَرْدًا حَسَنًا'' ہوجائیں گے اور معنی یہاں متغیر ہوجائیں گے۔ پس قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

حدر پڑھانے والے قاری حضرات کو اس طرف خاص توجہ رکھنا اور توجہ دلانا لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔ ۱۲/۱۲/۱۴۱۳ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۸۱-۸۷)

کلمات اذان میں مد کا مسئلہ:

سوال: اذان ایک عبادت ہے، اس کے کلمات میں ایک طویل زمانہ سے تطویل سے کام لیا جارہا ہے، اسی افراط وتفریط کے باعث عرصہ سے اس قسم کی اذان ایک سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے اطراف ملک سے اکثر وبیشتر سوالات آتے رہتے ہیں کہ کلمات اذان میں جو تطویل سے کام لیا جارہا ہے اور ضرورت سے بہت زیادہ کھینچ وتان ہورہی ہے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

یہ سوال وقتاً فوقتاً احقر سے بھی ہوتا رہا ہے، لہذا ضروری ہے کہ ارباب فن اس مسئلہ پر اجتماعی طور پر غور وفکر کرکے مسئلہ کا ایسا حل نکالیں کہ یہ سوال ختم ہوجائے، ساتھ ہی علم قراءت کے ماہرین نے اس مسئلے میں جو کچھ ارقام فرمایا ہے اسے بھی پیش نظر رکھیں اور تطابق کی کوئی راہ نکالیں۔ بینوا توجروا۔

تحقیق سائل: اس بارے میں ماہرین قرأت اور ائمہ فن تجوید نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے اور جو کچھ صراحت ان کی کتابوں میں ملتی ہے احقر نے اپنی محدود معلومات کی حد تک اسے یکجا کرنے کی کوشش کی ہے، ذیل میں اختصار کے ساتھ پیش ہے:

(۱) سورۃ الضحیٰ: ۵. انیس (۲) سورۃ الحدید: ۱۸. انیس

اذان میں مد والے کلمات کی دونوعیت ہے ایک یہ کہ جن کلمات میں مدفرعی ہےیعنی حروف مدہ کے بعد اسباب مد (ہمزہ وسکون) میں سے کوئی سبب ہے جیسا کہ ''لا إلٰه إلا الله'' شہادت توحید میں اور آخر میں، اسی طرح شہادتین پر بصورت وقف ''الله'' پر مد، نیز ''الصلاة، الفلاح'' پر وقف یہ سب مدفرعی ہیں (مدِ منفصل ومدِ عارض)

دوسرے وہ کلمات جن میں مداصلی وطبعی ہے جیسے: ''الله أكبر'' میں لام کے بعد الف۔اسی طرح ''الصلاة خير من النوم'' میں الصلوٰۃ کے لام کے بعد الف۔

واضح ہو کہ مدطبعی اور اصلی میں مقدار کشش صرف ایک الف ہے، اس پر زیادتی ثابت نہیں، اسی طرح مدِ فرعی میں اس کے مقررہ حدود کے اندر ہی مد کرنا صحیح ہے، چنانچہ ''لا إلٰــه إلا الـلّٰــه'' میں ''لا'' پر مدِ منفصل ہے جس میں توسط ہوتا ہے (بقدر دو ڈھائی چار الف علی اختلاف الاقوال) اور ''الله'' پر وقف کرتے ہوئے مدِ عارضی وقفی ہے، جس میں طول جائز ہے، جس کی آخری وانتہائی مقدار پانچ الف ہے اس سے زیادہ کا کوئی قول نہیں۔

ایک وضاحت: جیسا کہ مد کا ایک سبب ظاہری ہوتا ہے یعنی ہمزہ وسکون کا آنا حرف مد مقروءۃ کے بعد، اسی طرح ایک سبب باطنی ومعنوی بھی ہوتا ہے مثلاً نفی میں مبالغہ کرنا جیسے ''لا إلٰه إلا الله'' اور ''لا إلٰه إلا أنت'' وغیرہ اس میں مد اس نیت سے کرنا کہ غیر اللہ سے بالکلیہ نفی ہوجائے اور پھر اثبات ذات الٰہی ہو، اہل عرب کے نزدیک مد کا یہ بھی ایک قوی سبب مانا جاتا ہے، محقق ابن الجزری فرماتے ہیں:

(السبب المعنوى) وهـو قـصـد المبالغة فى النفى وهوسبب قوى مقصود عند العرب وإن كان أضـعـف مـن السبـب اللفظى عند القراء، ومنه مد التعظيم فى نحو ''لا إلٰه إلا الله، لا إلٰه إلا أنت'' و هو قد ورد عن أصحاب القصر في المنفصل لهذا المعنى... ويقال له أيضاً مد المبالغة؛ لأنه طلب لـلـمبـالـغة فـى نفى إلٰهية غير الله سبحانه، وهذا معروف عند العرب؛ لأنها تمد عند الدعاء ومنه الاستغاثة فى نفى شىء ويمدون مالا أصل له بهذه العلة. (باب المدو القصر: ۱/۳۴۳)(۱)

اس سلسلے میں دو روایتیں بھی ملتی ہیں: ایک حضرت ابن عمر سے اور ایک حضرت انس سے محقق جزری ان دونوں روایتوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں (حوالۂ بالا) تاہم یہ مدود جن کے اسباب معنوی ہیں، بطریق شاطبی اور جمہور قراء معمول بہا نہیں ہیں۔ (الجواهر النقية شرح المقدمة الجزرية، از: مقری اظہار احمد تھانوی، لاہور: ۱۶۵)

اس قسم کی عبارتوں کو دیکھ کر لوگوں نے عام طور پر کلمات اذان میں مد کرنا شروع کر دیا، آج کل کی اذانوں میں جو بے انتہا مد کیا جاتا ہے اور آوازوں میں خوب اتار چڑھاؤ ہوتا ہے، اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ مدات وحرکات کو ان کی مقررہ حد سے زیادہ کھینچنا جسے تمطیط وتطویل کہتے ہیں، یہ مکروہ ہے اس سے احتراز لازم ہے۔ (تسہیل القواعد از مقری فتح محمد صاحب پانی پتی: ۹۶......القرآن از قاری محمد اسماعیل صاحب پانی پتی، النفحة العنبرية شرح المقدمة الجزرية: ۲۲)

(۱) كذا فى شرح طيبة النشر للنويرى: والبعض للتعظيم عن ذى القصر مدالمنفصل: ۱/۳۸۸. انیس

سابق شیخ القراء جامعہ ازہر مصر: قدیم اور شہرۂ آفاق علمی ادارہ جامعہ ازہر مصر کے سابق شیخ القراء شیخ محمد مکی نصر کی اپنے موضوع پر معتبر ترین کتاب ”نهاية القول المفيد فى علم التجويد“ ہے، موصوف اس قسم کے غلط مدوں کی تردید میں فرماتے ہیں:

”وحده مقدار ألف وصلاً ووقفًا ونقصه عن ألف حرام شرعًا يعاقب علىٰ فعله ويثاب علىٰ تركه، فما يفعله بعض أئمة المساجد وأكثر المؤذنين من الزيادة فى المد الطبعى عن حده العرفى أى عرف القراء فمن أقبح البدعة وأشد الكراهة لاسيما وقد يقتدى بهم بعض الجهلة من القراء ة“. (طبع جديد المكتبة العلمية، لاهور: ١٦٦)

علامہ مرعشی المعروف بہ ساچقلی زادہ اپنی کتاب ”جهد المقل وشرحه: ١٥١“ میں مد متصل ومنفصل سے متعلق کلام کرتے ہوئے، اس طرح کی عبارت لکھتے ہیں۔(۱)

حضرت ملا علی قاریؒ: احناف میں ملا علی قاری کی شخصیت مشہور زمانہ ہے، متاخرین نے آپ کو حنفیہ کا مجدد مانا ہے آپ اپنی مقبول ترین کتاب ”المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية“ میں (مد لازم اور واجب میں قصر کے غیر جائز ہونے کے بارے میں لکھتے ہوئے) فرماتے ہیں:

فإنه لايجوز قصر أحدهما عند جميع القراء ولو قرأ بالقصر يكون لحنًا جليًا وخطأً فاحشًا مخالفًا لما ثبت عن النبى صلى الله عليه وسلم بالطرق المتواترة وكذا إذا زاد فى المد الأصلى والطبيعى علىٰ مده العرفى من قدر ألف بأن جعله قدر ألفين أو أكثر كما يفعله أكثر الأئمة من الشافعية والحنفية فى الحرمين الشريفين، فإنه محرم قبيح لاسيما وقد يهتديهم بعض الجهلة و يستحسن ما صدر عنهم من القراء ة. (ص: ٥٦)

---

(۱) یہاں اصل کتاب میں جهد المقل وشرحہ کی کوئی عبارت موجود نہیں ہے۔ علامہ مرعشی جهد المقل میں لکھتے ہیں:

القسم الثانى: أن يقع حرف المد آخر كلمة والهمزة أول كلمة أخرىٰ نحو ﴿بِمَا اُنْزِلَ﴾ (البقرة: ٩٠) و ﴿فِيْ اَنْفُسِكُمْ﴾ (البقرة: ٢٣٥) و ﴿قُوْلُوْا آمَنَّا﴾ (البقرة: ١٣٦) ولا مدّ هٰهنا إلا فى الوصل، فلو وقف على كلمة حرف المدّ فلا مدّ فيه لأحد من القراء، كذا قال الجعبرى. ويسمىٰ المدّ الزائد فى هذا القسم مدًّا منفصلاً ومدًّا جائزاً. قال: وإنما سمى هذا المدّ جائزًا لاختلاف القراء فيه، فابن كثير والسوسى يَقصُرانه البتة وقالون والدورى يقصُرانه ويمدّانه والباقون يمدّونه البتة، انتهىٰ. ولم يقل أحد من العلماء إن الذين يمدّونه من القراء هٰهنا يمدّونه قدراً واحداً مشبعاً فالمنقول هنا عن القراء ليس إلا التفاوت فى المدّ. قال: وتفاوت الزيادة فى المنفصل كتفاوته فى المتصل كما مر، انتهىٰ. قال أبوشابة: حكى السخاوى عن الشاطبى أنه كان يرىٰ فى المنفصل مدّين طولى لورش ووسطىٰ لمن بقى، انتهىٰ وقد عرفت تقديرهما.

أقول: وجاء فى هذا القسم أربع مراتب أيضاً لمن مدّ كما صرح به، فى التيسير الأطول لورش وحمزة والطول لعاصم والتوسط لابن عامر والكسائى، ومافوق القصر لقالون والدورى وتقديرهذه المراتب كما عرفت فى القسم الأول.

قال: فلايجوز الزيادة على خمس ألفات إجماعاً يعنى فى شىء من القسمين فما يفعله بعض الأئمة وأكثر المؤذنين من الزيادة فمن أقبح البدع وأشد الكراهة، الخ. (جهد المقل، ٢١٦-٢١٨، الفصل الأول فى المد الفرعى الزائد على المد الأصلى لحروف المد، دراسة وتحقيق: د. سالم قدورى الحمد، ط: دار عمار للنشر والتوزيع عمان) انیس)

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں کا قدر مشترک ایک ہے،جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح مد لازم اور مد واجب میں قصر کسی کے نزدیک جائز نہیں اور اگر اس میں قصر کیا گیا تو لحن جلی ، خطأً فاحش اور پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے طریقۂ منقول ومتواتر کے خلاف ہوگا،اسی طرح مدِ طبعی اور اصلی میں ایک الف کی مقدار سے زائد مد کرنا بھی خطاء فاحش اور لحن جلی ہوگا ، اکثر حضرات جو شوافع اور احناف میں سے حرمین شریفین میں ایسا کرتے ہیں ، یہ بلاشبہ حرام اور قبیح ہے۔

دورجدید کے عربی عالم ماہر تجوید قراءت ''حسینی شیخ عثمان'' اپنی مقبول ومعتبر کتاب ''حق التلاوۃ'' (ص:۱۵۱) میں شیخ محمد مکی نصر المذکور کی عبارت کی تائید فرماتے ہوئے تقریباً ویسی ہی عبارت لکھتے ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکاۃ: حضرت ملاعلی قاریؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''مرقاۃ شرح مشکاۃ'' میں ارقام فرماتے ہیں:

وإطلاق مد ألف اللّٰه وما بعده غير صحيح: لايجوز قصره وتوسطه ومده قدر ثلاث ألفات حالة الوقف. (باب الأذان: ۱/۴۱۸)

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ ''آداب اذان واقامت'' (ص:۴۸) میں لکھتے ہیں:

''اذان میں لفظ اللہ کو تو ایک الف تک کھینچنا چاہئے جیسا کہ علامہ طحطاوی اور مفتی عنایت احمد صاحب نے ارقام فرمایا ہے۔(اس عبارت پر حاشیہ تحریر فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں):

بلکہ علامہ ابن حجر ہیثمی تو اذان میں اللّٰه، الصلاة، الفلاح'' میں مطلقاً کھینچنے کو لحن خفی قرار دیتے ہیں،(۱) ملاعلی قاری نے حالت وقف میں یعنی جہاں مد عارض وقفی ہے،ان کے قول کو تسلیم نہیں کیا ہے،البتہ جہاں مدِ اصلی (جس کے بعد مد کا کوئی سبب نہیں ہے، جیسے ''اللّٰه وصلا یا ''الصلاة خير من النوم ''میں) ہے،اس میں ابن حجر کے قول کو برقرار رکھا ہے،لہٰذا اذان دینے والوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے اور تکبیر کے لفظ ''اللہ'' کو زیادہ نہیں کھینچنا چاہئے،بعض مؤذنوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب تک سانس میں گنجائش رہتی ہے کھینچتے رہتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔شامی میں ہے:

''الترجيع بالقرآن والأذان بالصوت الطيب طيب إن لم تزد فيه الحروف وإن زاد كره له''. (باب الأذان: ۱/۲۷۰)

---

(۱) (قوله:والتمطيط والتغني فيه)أي تمديدالأذان والتطريب به ،نهاية ومغني،(قوله:مالم يتغير المعنى ،الخ)قال ابن عبدالسلام: يحرم اللحن أي إن غير المعنى أو أوهم محذوراً كمدهمزة أكبرومن ثم قال الزركشي:وليحزرمن أغلاط تقع للمؤذنين كمدأشهدفيصير استفهاماًومدباء أكبرفيصيرجمع كبربفتح أوله وهوطبل له وجه واحد ومن الوقف على إله،والابتداء بإلَّاالله لأنه ربما يؤدي إلى الكفر كالذي قبله ومن مدألف الله،والصلاة والفلاح لأن الأذان في حرف المد،واللين على مقدارماتكلمت به العرب لحن وخطأ ومن قلب الألف هاء من الله ومدهمزة أكبرونحوها وهوخطأ ولحن فاحش وعدم النطق بهاء الصلاة لأنه يصير دعاءً على النارشرح بافضلٍ.(تحفةالمحتاج في شرح المنهاج،فصل في الأذان والإقامة: ۱/۴۸۳ .انيس)

اچھی آواز سے اذان دینا اور قرآن پڑھنا پسندیدہ ہے، اگر اس کے لحن سے حرف میں اضافہ نہ ہو، اگر حروف میں اضافہ ہوجاتا ہے، تبدیلی ہوجاتی ہے تو مکروہ ہے۔

ذخیرہ میں ہے:

إن كانت الإلحان لا تغير الكلمة عن وضعها ولا تؤدى إلىٰ تطويل الحروف التى حصل التغنى بها حتى يصير الحرف حرفين بل لتحسن الصوت وتزئيين القراء ة لايوجب فساد الصلاة وذلك مستحب عندنا فى الصلاة وخارجها، وإن كان يغير الكمة عن موضعها يفسد الصلاة؛ لأنه منهى وإنما يجوز إدخال المد فى حروف المد واللين والهوائية والمعتل. (ردالمحتار: ۱/ ۲۷۰)

اگر الحان سے کلمہ اپنی اصلی ہیئیت سے نہ بدلے اور نہ حروف میں تطویل ہو کہ ایک حرف دو حرف بن جائیں، بلکہ محض آواز کو بہتر بنانے کے لئے ہے تو یہ مستحب ہے اور اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائے، کلمہ اپنے معنی سے نکل جائے تو یہ مکروہ یعنی حرام ہے، اور مد، حروفِ مد، لین، ہوائیہ، اور معتل میں ہوتا ہے''۔ (انتهت الحاشية)

موجودہ صدی کی معروف ومشہور شخصیت، امام فنِ تجوید وقرأت المقری محبّ الدین احمد الہ آبادی سے اسی قسم کا سوال کیا گیا تھا۔

سوال: اذان میں عام طور پر مؤذنین لفظ ''اللہ'' پر مد کرتے ہیں اور ایسا تعامل حرم شریف اور بڑے علمی اداروں میں بھی ہے، جب کہ کتب فقہیہ دیکھنے سے پسندیدہ نہیں معلوم ہوتا...... کیا قراءت کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے؟

الجواب: اذانوں میں مد کا تذکرہ نہیں، ایک معمول ہوگیا ہے کہ بغرض اعلان اذان کے وقت لفظ ''اللہ'' میں مد کرتے ہیں، حالانکہ اسباب مد میں سے کوئی بھی سبب نہیں پایا جاتا، فقط۔

موجودہ زمانہ کے معتبر عالم حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری مہاجر مدنی مدظلہ العالی اپنی نفیس کتاب ''**التحفة المرضية فى شرح المقدمة الجزرية**'' میں رقم طراز ہیں:

''مدِ طبعی کو ایک الف سے زیادہ کھینچ دینا غلط اور خطاً فاحش ہے، جیسا کہ اکثر ائمہ ایسا کرتے ہیں، یہ حرام اور قبیح ہے، جاہل لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں، ان کی قرأت کو اچھا سمجھتے ہیں، اس اعتبار سے ان کا اس طرح پڑھنا اور زیادہ قبیح ہے''۔

حضرت ملا علی قاریؒ کی مذکورہ عبارت کا یہ تلخیصی ترجمہ ہے، راقم الحروف سے آج سے تیرہ سال قبل (جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ) اسی عنوان سے متعلق سوال کیا گیا تھا، اس زمانہ میں محقق ابن جزری کی مشہور نظم ''**المقدمة الجزرية**'' پر تشریحی کام کررہا تھا، سوال کا جواب معمولی ترمیم کے ساتھ ''**النفحة العنبرية شرح المقدمة الجزرية**'' بعنوان تنبیہ درج کردیا گیا، ذیل میں اسے نقل کیا جاتا ہے:

''واضح ہو کہ کلماتِ اذان میں سے جس کلمہ پر مد کا کوئی سبب نہیں اور صرف مدِ اصلی اور طبعی ہے جیسے ''**اللّٰه اكبر**''

میں لفظ ”اللّٰہ“ اور ”الصلاۃ خیر من النوم“ میں لفظ ”الصلاۃ“ میں لام کے بعد الف اس میں مد کرنے اور بڑھانے کا کوئی جواز نہیں، پس مساجد کے مؤذنین اور ائمہ حضرات کو احتراز ضروری ہے، یہ عام ابتلاء ہے، اس سے کوئی جگہ محفوظ نہیں، حتی کہ علمی اور مرکزی جگہوں میں بھی یہ غلطی ہو رہی ہے...... آگے ملا علی قاریؒ اور شیخ محمد مکی نصرؒ کے مذکورہ بالا دونوں اقتباس نقل کیے گیے ہیں“۔ (ص: ۳۲۸)

”اذان میں راگ پیدا کرنا“ اس عنوان کے تحت ”کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، کتاب الصلاۃ، التغنی بالأذان“ میں یہ عبارت ہے:

”التغنی والترنم فی الأذان بالطریقة المعروفة عند الناس فی زماننا هذا لایقرها الشرع؛ لأنه عبادة یقصد منها الخشوع للّٰه تعالٰی علٰی أن فی حکم ذلک تفصیل فی المذاهب...“.

”الشافعیة“ قالوا: التغنی هو الانتقال من نغم إلٰی نغم آخر، والسنة أن یتغنی المؤذن فی أذانه علٰی نغم واحد.

”الحنابلة“ قالوا: التغنی هو الإطراب بالأذان، وهو مکروه عندهم.

”الحنفیة“ قالوا: التغنی بالأذان حسن إلا إذا أدی إلٰی تغییر الکلمات بزیادة حرکة أو حرف فإنه یحرم فعله ولایحل سماعه.

”المالکیة“ قالوا: التطریب فی الأذان مکروه لمنافاته الخشوع إلا إذا تفاحش عرفاً فإنه یحرم. (۳۲۱/۱)

ترجمہ: اذان میں راگ اور لے پیدا کرنا جیسا کہ فی زمانہ عام طور پر ہو رہا ہے کوئی شرع کی مقرر کردہ بات نہیں ہے؛ کیونکہ اذان عبادت ہے، اس سے غرض خشوع ہے (نہ کہ راگ نکالنا) مذاہب کے اعتبار سے مزید اس میں تفصیل ہے جس کو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں:

شافعیہ کہتے ہیں: تغنی کے معنی راگ نکالنے کے ہیں، حالانکہ سنت یہ ہے کہ مؤذن پوری اذان میں ایک ہی لے کو برقرار رکھے۔

حنابلہ کہتے ہیں: تغنی کے معنی اذان میں سر نکالنا ہے اور یہ فعل ان کے نزدیک (بہرحال) مکروہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: اذان میں لے کا نکالنا مکروہ ہے؛ کیونکہ یہ امر خشوع کے خلاف ہے اور اگر یہ کیفیت زیادہ ہو جائے تو حرام ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: اذان میں غنائی کیفیت اچھی بات ہے لیکن اس طرح نہیں کہ کسی حرف یا حرکت کی زیادتی سے الفاظ کچھ سے کچھ ہو جائیں، ایسا کرنا حرام ہے اور ایسی اذان کا سننا بھی جائز نہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا و مسلماً

پورا رسالہ از اول تا آخر دیکھا، حوالے وغیرہ تلاش کیے اور بعد مطالعۂ کتب جورائے قائم ہوئی، وہ عرض کی جاتی ہے، جس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ مسلکِ حق اور مسلک جمہور وہی ہے جو آپ نے پیش فرمایا ہے، البتہ گنجائش معمولی ہی سہی، دوسرے پہلو کی بھی ہے۔ لہٰذا صحیح صورت اور واقعی مسلک تو بیان کردیا جائے، لیکن مروجہ اذان پر نکیر میں شدت نہ برتی جائے اور اختلاف کا ایک اور دروازہ نہ کھولا جائے، ساتھ میں مولانا اعجاز صاحب کا رسالہ ''**المد التعظیمی**'' کی نقل بھی ارسال ہے۔ ملاحظہ فرمالیا جاوے، اب عرض کرتا ہوں:

رسالہ ''**حق التلاوۃ**''میں اذان کی تجوید کوقرآن کریم کی تجوید کے مطابق رکھنے کاحکم لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

کما ینبغی للمؤذن أن یجوز الأذان و الإقامة فیطبق فی تجوید الأذان مایطبق فی تجوید القرآن سواء بسواء. (ص:۱۸۹)(۱)

لیکن اذان میں مد کرنے کاحکم ذرا قواعدِ تجوید سے مختلف بیان فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

''**المدود: فی مقدار المدود فی الأذان خلاف بین المذاهب وأطول مد سمعوا به (۱۰) حرکات وقیل (۱٤) حرکة (سبع ألفات)**''. (ص:۱۹۰)(۲)

مضمون میں جو''حق التلاوۃ:۱۵۱'' کا حوالہ دیا ہے، ہمارے کتب خانہ کے موجودہ نسخے میں اس قسم کا مضمون اس صفحہ یا اس کے آس پاس نہیں ملا۔ واللہ اعلم

شامی، بحر، فتح القدیر، ہندیہ سب میں **تلحین** کومکروہ لکھا ہے۔ بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

ومنها ترک التلحین فی الأذان لما روی أن رجلا جاء إلی ابن عمر. رضی اللّٰه عنهما. فقال: ''إنی أحبک فی اللّٰه تعالیٰ، فقال ابن عمر. رضی اللّٰه عنهما: إنی أبغضک فی اللّٰه تعالیٰ، فقال: لِمَ؟ قال: لأنه بلغنی أنک تغنی فی أذانک یعنی التلحین، أما التفحیم فلا بأس به؛ لأنه أحد اللغتین. (باب الأذان: ۱/ ۱۵۰)(۳)

اوراس لحن کی تفسیر میں طحطاوی علی الدر میں اس طرح ہے:

اللحن إخراج الحرف عما یجوزله فی الأداء من نقص من الحروف أومن کیفیاتها وهی الحرکات والسکنات أوزیادة شیء فیه ویطلق علی الخطأ فی الإعراب وصرح الزیلعی بکراهیة. (۴)

(۱-۲)　حق التلاوة، الوحدة الدرسیة السادسة عشرة، تجوید الأذان والإقامة: ۱٦٤، مکتبة المنار، الأردن

(۳)　بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۱۵۰، دارالکتاب، دیوبند
والحدیث أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، فی ذکرسنه ووفاته (ح: ۱۳۰۵۹) بتغیر یسیر. انیس)

(۴)　طحطاوی علی الدر، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۲۵۹۔

اور شامی میں ہے:

”(ولا لحن فيه)أى تغني يغير كلماته فإنه لايحل فعله وسماعه كالتغني بالقرآن وبلا تغيير حسن،وقيل لا بأس به في الحيعلتين.(الدرالمختار)

(قوله:يغير كلماته)أى بزيادة حركة أوحرف أومد أوغيرها في الأوائل و الأواخر. قهستاني.

(قوله:بلا تغيير حسن)أى والتغني بلا تغيير حسن،فإن تحسين الصوت مطلوب ولا تلازم فيهما.(بحروفتح)

(قوله:وقيل)أى قال الحلواني:لا بأس بإدخال المد في الحيعلتين لأنهما غير ذكروتعبيره بلابأس، يدل أن الأولٰى عدمه.(ج:١/ص:٢٥٩)

وفي المراقي:(يترسل في الأذان)بالفصل وقيل بتطويل الكلمات كما في البحرعن عقد الفريد،وكل ذلک مطلوب في الأذان فيطول الكلمات بدون تغن وتطريب،كما في العناية... وهو التطريب أى التغني به بحيث يؤدى إلٰى تغيير كلمات الأذان.(إلٰى قوله)لأن فيه مشابهة بفعل الفسقة في حال فسقهم فإنهم يترنمون.(مراقي الفلاح:١٠٧)(٢)

عبارت بالا میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تلحین یعنی تغنی گانے،راگ کے مشابہ ہو،وہ تو مکروہ ہے،لیکن تطویل کلمات اور مدود میں قراء کی بیان کردہ حد سے تجاوز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے جیسا کہ حق التلاوۃ اور مراقی کی عبارت سے معلوم ہوا،البتہ شامی میں جوحلوانی کا قول نقل کیا ہے کہ حیعلتین میں (متجاوز عن حد القراء كما هو المتبادر)مد کے ادخال میں مضائقہ نہیں اوراس سے جو یہ پتہ چلتا ہے کہ بقیہ میں گنجائش نہیں ہے اور حیعلتین میں بھی عدم ادخال ہی اولیٰ ہے،تو اس میں تاویل کی گنجائش ہے؛ کیونکہ ادخال مد کو صاحب مراقی نے مطلوب فرمایا ہے،اور اس کے خلاف کی تصریح سے ساری کتب فقہ خالی ہیں،البتہ تغنی وتطریب وتلحین کو مکروہ فرمایا گیا ہے اوراگر ادخال مد سے مراد مطلقاً مد ہو جیسا کہ عبارت کا ظاہر ہے،تو پھر اس قول کے غلط ہونے میں شبہ نہیں،یعنی وہ مد جو قراء کی تحدیدات کے خلاف ہو،البتہ حق التلاوۃ میں ایک عبارت یہ ہے:

ويخطيء بعض المصلين،وبخاصة المبلغون وراء الأئمة (المكبرون المبلغون التكبير)

(١) الدر المختارمع رد المحتار، قبيل مطلب في أول من بنى المنائرللأذان:١/٢٨٥.انيس

(٢) حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح،باب الأذان:١٩٦-١٩٨.

وفي العناية:(ويترسل في الأذان بيان السنن التي فيه وهي نوعان:مايرجع إلى نفس الأذان ومايرجع إلى صفات المؤذن فالأول هو أى يأتي به رافعاً صوته ويفصل بين كلمتي الأذان بسكتة مطولا غيرمطرب وهوالترسل من ترسل في قراءته إذا تمهل فيهاوتوقف ولايفصل بين كلمتي الإقامة بل يجلعها كلاماًواحداًوهو الحدرويكون صوته أخفض من صوت المؤذن ويرتب بين كلمات الأذان والإقامة كماشرع ==

فیـزیـدون فـی وزن مد ألف لفظ الجلالة عند قوله"اللّٰه أكبر"أوقوله"سمع اللّٰه لمن حمده" عن حركتين،وهذا لايجوزبل ينبغي أن ينبه من يفعله كي يجتنب الوقوع فيه،ويحافظ علىٰ مد الألف وزن حركتين.(ص:۱۹۲)(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدار محدودہ عن القراء سے تجاوز جائز نہیں،لیکن یہ عبارت نمازی کے ساتھ مخصوص ہے، اذان سے متعلق اس میں کچھ نہیں ہے اور گنجائش اذان ہی میں مطلوب ہے

رہا یہ سوال کہ جس طرح اذان سے مقصود اعلام ہے اسی طرح تکبیراتِ انتقالیہ میں امام کے پیچھے کے مکبرین کا مقصود بھی اعلام ہی ہوتا ہے، پھر دونوں کے حکم میں فرق کیوں ہے؟

اس کے دو جواب ہیں: ایک تو یہ ہے کہ "اللّٰہ أکبر" کے لفظ جلالہ میں حکم اذان وتکبیر کا دونوں میں یکساں ہے اور اگر فرق ہے تو اس وجہ سے کہ اذان میں اعلام کا پہلو غالب ہے اور تکبیر فی الصلاۃ میں ذکر کا۔

قولہ: ضرورت ہے کہ ارباب فن اس مسئلہ پر الخ

قلت: غالبا یہ اس قدر اہم ضرورتوں میں سے نہیں ہے کہ دوسرے اور اہم ضروری مسائل کے بجائے اس مسئلہ پر اجتماعی غور وفکر کی دعوت دی جائے ، جب کہ کسی حد تک اگر چہ مرجوح ہی سہی مروجہ اذان کی اجازت ملتی ہے۔

قولہ: مدِ اصلی اور طبعی میں مقدار کشش صرف ایک الف ہے، زیادتی ثابت نہیں ہے۔

قلت: علی الاطلاق یہ قول درست نہیں ہے، جب کہ بعض قراء اذان کے مدود کو مستثنیٰ کرتے ہیں،حتی کہ "اللّٰہ أکبر" کے اسم جلالہ میں سات الف تک کی اجازت دیتے ہیں۔

قولہ: جس میں طول جائز ہے،اس کی آخری اور انتہائی مقدار پانچ الف ہے اس سے زیادہ کا قول نہیں۔

قلت: اذان میں ثابت ہے،جیسا کہ "حق التلاوة" اور "مفيد الاقوال" وغیرہ میں ہے۔

قولہ: تاہم یہ مدود جن کے اسباب معنوی نہیں بطریق شاطبی اور جمہور قراء معمول بہا نہیں ہیں۔

قلت: لیکن ثبوت تو ہوگیا اور اذان میں معمول بہا بھی ہیں،قرأت میں البتہ متروک ہیں۔

قولہ: اور اذانوں میں خوب اتار چڑھاؤ ہوتا ہے،اس کا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔

قلت: بے شک اس کا ثبوت نہیں ہے بلکہ فسقہ کی مشابہت کی وجہ سے یہ ترنم وغنا جس کو عام طور پر فقہاء تلحین و لحن سے تعبیر فرماتے ہیں،مکروہ ہے۔ كمافي عامة كتب الفقه.(۲)

== فإن قدم بعضاً وأخر بعضاًفالأفضل مراعاة للترتيب وأن يوالى بين كلمات الأذان والإقامة حتى لوترك الموالاة فالسنة أن يعيد الأذان ويستقبل بهماالقبلة إلا فى الصلاة والفلاح.(باب الأذان: ۲۴۴/۱.انيس)

(۱) حق التلاوة،الوحدة الدرسية السادسة عشرة، تجويد الأذان والإقامة: ۱۶۴،مكتبة المنار، الأردن

(۲) فى الدر:(ولا لحن فيه)أى تغنى يغير كلماته فإنه لا يحل فعله وسماعه كالتغنى بالقرآن وبلا تغيير حسن.(الدرالمختارمع الرد،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۲۵۹/۱،نعمانية،ديوبند)

قوله: وأما قول الشيخ محمد مكى نصر: "عن حده العرفى أى عرف القراء اهـ".
قلت: وجوزه بعض القراء إلى سبع ألفات، وقد تم تقريره.

"المنح الفكرية" سے نقل کی گئی عبارت تکبیرات نماز پر خصوصیت سے محمول ہوسکتی ہے، جیسا کہ ہم نے ماقبل میں "حق التلاوۃ" کے حوالے سے ایک عبارت اسی طرح کی نقل کی ہے۔

حسینی شیخ محمد عثمان کی وہ عبارت جو شیخ محمد مکی کی عبارت کی تائید میں ہو یا اس جیسی ہو، صفحہ (۱۵۱) یا اس کے آس پاس نہیں ملی، مضمون کے صفحہ (۲) پر مرقاۃ کی عبارت پوری نقل نہیں ہوئی، اگرچہ عبارت صاحب مضمون کی مؤید ہے، لیکن نقل کردہ عبارت کا جو متبادر مفہوم ہے، وہ مراد نہیں ہے، عبارت پوری نقل کرنا چاہیے، پھر اس کی تشریح کردینی چاہیے تھی، صفحہ (۳) پر شامی کی عبارت کا جو حوالہ دیا گیا ہے (۱/۲۷۰) میں اور اس کے آس پاس اور جہاں جہاں ہوا دیکھا، اس طرح کی عبارت نہیں ملی، البتہ مجموعہ رسائل ابن عابدین کے تحت ایک رسالہ "تنبيه ذوى الأفهام" میں وہ عبارت ملی، ملاحظہ ہو! "رسائل ابن عابدین"۔(۱)

المقری محبّ الدین الہ آبادی نے مد کرنے کو منع نہیں لکھا ہے، صرف اپنے علم کی نفی کی ہے، مولانا عاشق الٰہی صاحب کی عبارت امامت پر خصوصیت سے محمول ہوسکتی ہے۔

ملحوظ رہے کہ اس تمام تر تنقید میں دوسری طرف صرف گنجائش کا پہلو بتایا گیا ہے، ورنہ اصل اور مطابق جمہور وہی بات جس کو مضمون میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس کی تائید میں "السعایۃ" کی عبارت پیش ہے، جس کا ظاہر وباطن دیکھنے سے دونوں پہلوؤں کی حیثیت ظاہر ہوجاتی ہے، صفحہ (۱۴) پر فرماتے ہیں:

(قوله: فلاينقص شيئا من حروفه) هذا بظاهر يفيد أنه يكره التلحين فى جميع كلمات الأذان و عليه الجمهور، ونقل فى البحر وغيره عن الحلوانى: أن كراهيته إنما هى فى الذكر والثنائى، أما لو لحن فى الحيعلتين بأن زاد المد لتحسين الصوت ونحوه فلا يكره.

قلت: (أى العلامة اللكهنوى) وما أجهل مؤذنى زماننا حيث يلحنون فى الأذان، فبعضهم يحذفون الواو فى "رسول الله" وبعضهم يضمون الراء فى "رسول الله" وبعضهم يحذفون الألف فى "اللّٰه أكبر" وبعضهم يمدون الياء فى "حى على الصلاة" وكل ذلك لحن ممنوع عنه بالاتفاق. (۱۵/۲)(۲)

(قوله: فأما مجرد تحسين الصوت) أى بلا تغيير لفظه فهو حسن، ظاهر عبارة الخلاصة حيث

(۱) مجموعه رسائل ابن عابدين، تنبيه ذوى الأفهام: ۱۴۴، دار إحياء التراث العربى، بيروت
(۲) السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية: ۱۵/۲۔

قال: تحسين الصوت لابأس به من غير تغن، وعبارة قاضي خان حيث قال في فتاواه: لا بأس بالتطريب في الأذان وهو تحسين الصوت من غير أن يتغير، فإن تغير بلحن أومد وما أشبه ذلک كره يشهد بأن تركه أولىٰ لكن الشارح نص علىٰ أنه حسن. (۱)

وفي فتح القدير: تحسين الصوت مطلوب. (۲)

أقول: حسن الصوت يرقق القلب ويسيل الدموع ولذلک أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم: زينوا القرآن بأصواتكم. (۳)

وفي رواية أخرى: "ليس منا من لم يتغن بالقرآن" (۴)

فحسن الصوت أمر مرغوب، فالجزم بحسن الصوت كما لا يخفى.

"مفيد الأقوال" اور" فتح الملک المتعال" جو' تحفة الأطفال' کی شرحیں ہیں، ان سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ "الله أكبر" کے اسم جلالہ میں فقہانے سات کے برابر مد کرنے کی اجازت دی ہے، تو اب تک باوجود تلاش بسیار کے کسی فقیہ کا قول اس طرح کا نہیں ملا۔

حاصل یہ ہے کہ مسلکِ جمہور وہی ہے؛ جو آپ نے بیان فرمایا، البتہ گنجائش دوسرے پہلو کی بھی ہے اگر چہ ضعیف ہی سہی، لہذا نکیر میں شدت نہ کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ عفی عنہ۔ ۲۰/۱/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۰۰-۳۱۳)

(۱) كذا في تبيين الحقائق، باب الأذان: ۹۰/۱/ والبحر الرائق عن الخلاصة، باب الأذان: ۲۷۰/۱/ وتبيين الحقائق ناقلاًعن فتاویٰ قاضي خان، كيفية الأذان والإقامة: ۹۱/۱/ والمحيط البرهاني، الفصل السادس عشر في التغني والألحان: ۳۵۱/۱. انيس

(۲) فتح القدير، باب الأذان: ۳٤۸/۱. انيس

(۳) مسند أبي داؤد الطيالسي، البراء بن عازب (ح: ۷۷٤)/ مسند ابن الجعد، قيس بن الربيع الأسدي (ح: ۲۰۷۷)/ مصنف ابن أبي شيبة، باب في حسن الصوت بالقرآن (ح: ۸۷۳۷)/ مسند الإمام أحمد، حديث البراء بن عازب (ح: ۱۸٤۹٤)/ سنن الدارمي، باب التغني بالقرآن (ح: ۳٥٤۳)/ سنن ابن ماجة، في حسن الصوت بالقرآن (ح: ۱۳٤۲)/ سنن أبي داؤد، باب استحباب الترتيل في القراءة (ح: ۱٤٦۸)/ سنن النسائي، تزيين القرآن بالصوت (ح: ۱۰۱٥) انيس)

(۴) مسند أبي داؤد الطيالسي، أحاديث سعد بن أبي وقاص (ح: ۱۹۸)/ مصنف عبد الرزاق الصنعاني، باب النائم والسكران والقراءة على الغناء (ح: ٤۱۷۰)/ مسند الحميدي، أحاديث سعد بن أبي وقاص (ح: ۷٦)/ مسند الإمام أحمد، مسند أبي اسحاق سعد بن أبي وقاص (ح: ۱٥۱۲)/ الصحيح للبخاري، باب من لم يتغن بالقرآن (ح: ۷٥۲۷)/ أخبار مكة للفاكهي، ذكر رباع بن عبد شمس بن عبد مناف، الخ (ح: ۲۱٥٤)/ سنن أبي داؤد، باب استحباب الترتيل في القراءة (ح: ۱٤٦۹)/ الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم، أبو لبابة بشير بن عبد المنذر من بني عمرو (ح: ۱۹۰۳)/ المسند للشاشي، رجل غير مسمىٰ عن سعد (ح: ۱۸٤) انيس)

اذان میں لفظ ''اللہ'' کے ''لام'' کو کھینچنا:

سوال: جولوگ اذان کے دوسرے ''الله أكبر'' کے ''لام'' کو کھینچتے ہیں اور ''الصلاة خير من النوم'' میں ''لام'' کو خوب کھینچ کر پڑھتے ہیں، اذان میں خوب چڑھاؤ اُتار کیا جاتا ہے، آج کل اکثر مسجدوں میں ایسی ہی اذانیں پڑھی جاتی ہیں، شرعی طور پر لفظ ''الله أكبر'' کے ''لام'' کو کتنا کھینچا جا سکتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

لفظ ''اللّٰــه أكبــر'' کے ''لام'' پر مدِ تعظیمی کرنے کو بعض قراء نے درست لکھا ہے اور اذان میں مدِ صوت مقصود بھی ہے تاکہ دور تک آواز پہنچے، فقہا نے بھی اطالتِ کلمات کی تصریح کی ہے۔(۱) مگر موسیقی کے طور پر اتار چڑھاؤ کرنا غلط ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۱۴/۵)

اذان میں اللہ کو زیادہ کھینچنا غلط ہے:

سوال: آج کل اذانیں عموماً اس طرح ہوتی ہے کہ اللہ کو خوب کھینچتے ہیں، اور الٰہ کو بھی خوب کھینچتے ہیں، اور بھی کلمات اسی طرح تو کیا یہ صورت جائز ہے، بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اللہ اور الٰہ کے لام کو ایک الف کی مقدار سے زیادہ کھینچنا غلط ہے۔

---

(۱) ''ويجوز إجراء وجه مد''لا إله إلا الله''عند من أجرى المد للتعظيم كما قدمنا في باب المد،بل كان بعض من أخذنا عنه من شيوخنا المحققين يأخذون بالمد فيه مطلقاً مع كونهم لم يأخذوا بالمد للتعظيم في القرآن...وهو المد للتعظيم في الذكر''.(النشر في القراءات العشر،حكم الإتيان بالتكبير وسببه: ۴۳۹/۲،دار الكتب العلمية،بيروت)

(۲) ''وفسر الترسل في الفوائد بإطالة كلمات الأذان والحدر قصرها وإيجازها''.(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۴۴۸/۱،رشيدية)

''وقيل بتطويل الكلمات ...كل ذلك مطلوب في الأذان،فيطول الكلمات بدون تغن وتطريب''.(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،كتاب الصلاة،باب الأذان: ۱۹۶،قديمي)

سن للفرائض بلا ترجيع ولحن أي ليس فيه لحن:أي تلحين وهو كما في المغرب التطريب والترنم يقال:لحن في قراء ته تلحيناً طرب فيها وترنم ... ولهذا فسره ابن الملك بالتغني بحيث يؤدي إلى تغيير كلماته،وقد صرحوا بأنه لا يحل فيه،وتحسين الصوت لابأس به من غير تغن، ... فظهر من هذا أن التلحين هو إخراج الحرف عما يجوز له في الأداء من نقص من الحروف أو من كيفيتها،وهي الحركات والسكنات أو زيادة شئ فيها''.(البحر الرائق، كتاب الصلاة،باب الأذان: ۴۴۵/۱-۴۴۶،رشيدية)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: إن المد إن كان فى الله فإما فى أوله أو وسطه أو آخره (إلىٰ قوله) وإن كان فى وسطه فإن بالغ حتى حدث ألف ثانية بين اللام والهاء كره، قيل: والمختار أنها لاتفسد وليس ببعيد. (رد المحتار: ۱/۴۴۸)

اسی طرح ''الصلوٰة خير من النوم''، میں ''الصلوٰة'' کے لام کو ایک الف سے زیادہ کھینچنا غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰/ شوال ۱۳۹۲ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۹۰)

کلمات اذان میں اللہ کے لام پر مد کرنا:

سوال: کلمات اذان وتکبیرات انتقالیہ میں اللہ کے لام پر مد کرنا کیسا ہے؟ آیا مد اصلی کی رعایت ضروری ہے، یا اس سے زیادہ مد کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ———————— حامدا ومصليا ومسلما

فقہانے اس بات کی تصریح کی ہے کہ تکبیرات انتقالیہ رکن اول کی انتہا سے رکن ثانی کی ابتدا تک ممتد ہونی چاہیے، مثلاً قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے پورے درمیانی وقفہ میں تکبیر ہونی چاہئے۔

كما فى الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار:

ويقوم مستويا الخ ثم يكبر مع الخير مع الخرور ويسجد واضعًا ركبتيه.

وفى الشامي: قوله مع الخرور بأن يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخرور وانتهائه عند انتهائه. شرح المنية. (۱/۳۳۴) (۱)

اور ظاہر ہے کہ ایسا اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی حرف طویل نہ کیا جائے، اور تطویل حروف کے سلسلہ میں البحر الرائق میں ہے:

وفى المبسوط: لو مد ألف الله لايصير شارعًا وخيف عليه الكفر إن كان قاصدًا وكذا لو مد ألف أكبر أو باءه لايصير شارعًا؛ لأن إكبار جمع كبر وهو الطبل وقيل اسم للشيطان ولو مد هاء الله فهو خطأ لغة وكذا لو مد راءه ومد لام الله صواب وجزم الهاء خطأ؛ لأنه لم يجيء إلا فى ضرورة الشعر. (۱/۳۳۲) (۲)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ''الله أكبر'' میں سوائے لام کے اور کہیں مد کرنا درست نہیں ہے، البتہ اس میں بلا

(۱) الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۴، نعمانيه، ديوبند

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۳۲، دار الفكر، بيروت

شبہ درست ہے، اور جب تکبیرات انتقالیہ میں مد کی اجازت ہے، تو اذان میں بدرجۂ اولیٰ ہوگی؛ کیوں کہ اذان کا مقصد عام اعلان ہے، اور یہ بغیر مدصوت کے حاصل نہیں ہوتا، کما فی بدائع الصنائع .(۱۴۹/۱):

منها أن يجهر بالأذان فيرفع به صوته؛ لأن المقصود وهو الإعلام يحصل به ألاترى أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لعبد الله بن زيد علّم بلالا فإنه أندى وأمد صوتًا منك ولهذا كان الأفضل أن يؤذن فى موضع يكون أسمع للجيران كالمئذنة ونحوه.(۱)

اس میں اُمد صوتا کی تصریح ہے، جس سے اذان میں مدصوت کا زیادہ مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے، اور سانس کا زور صرف کیے بغیر آواز قدرے بلند تو ہوسکتی ہے، مگر رفع صوت میں مبالغہ جو مطلوب و مستحسن ہے، مشکل ہے، اور "**فتح الملک المتعال شرح تحفة الأطفال: ۳۵**" پر ہے:

وله سبب معنوى كالتعظيم ولأجله أجاز الفقهاء مد ألف الجلالة أربع عشر حركة فى "الله أكبر". (فتح الملك المتعال شرح تحفة الأطفال: ۳۵)

ان مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ کلمات اذان اور تکبیرات انتقالیہ میں اللہ کے لام پر مد اصلی سے زیادہ چودہ حرکات بمعنی سات الف مد کرسکتے ہیں۔(۲) **واللہ أعلم بالصواب**

کتبہ: محمد اسرائیل نوادوی۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد اسماعیل غفرلہ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۱۳/۲-۳۱۵)

کلمہ میں 'محمدٌ' اور اذان میں 'محمداً' کیوں ہے:

سوال: کلمہ میں "**محمدٌ رسول اللّٰہ**" اور اذان میں "**محمدًا رسول اللّٰہ**" یہ کیوں؟ اور اگر اذان میں پیش کہے اور کلمہ میں زبر کہے تو غلط ہے، کیوں؟

الجواب ــــــــــــــ حامدًا ومصلياً

عربی زبان کے قواعد کا تقاضہ یہی ہے، اس کے خلاف پڑھنا غلط ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ محمودیہ: ۴۰۸/۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ۱۴۹/۱، دار الكتاب، ديوبند

(۲) فی فتاویٰ محمودية: لفظ "اللہ أکبر" کے "لام" پر مد تعظیمی کرنے کو بعض قراء نے درست لکھا ہے اور اذان میں مدصوت مقصود بھی ہے تاکہ دور تک آواز پہنچے، فقہا نے بھی اطالت کلمات کی تصریح کی ہے، مگر موسیقی کے طور پر اتار چڑھاؤ کرنا غلط ہے، اس سے پرہیز کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلاۃ، باب الاذان، الفصل الثانی فی مایتعلق بکلمات الاذان: ۴۱۴/۵، ادارۃ صدیق ڈابھیل)

(۳) الأسماء المنصوبة اثنا عشر قسمًا المفعول المطلق ...اسم إن وأخواتها.(هداية النحو، المقصد الثانى فى المنصوبات، ص: ۳۱، سعيد)

"الأسماء المرفوعات ثمانية أقسام، الفاعل ... والمبتداء والخبر".(هداية النحو، المقصد الأول فى المرفوعات، ص: ۱۸، سعيد)

اذان میں ''أشهد أن محمدًا رسول الله'' میں منصوب پڑھا جائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اذان میں ''أَشْهَدُ أنّ مُحَمّدًا رَسُوْلُ اللّٰه'' پڑھا جائے گا یعنی زبر کے ساتھ، یا'' مُحَمَّدُ رّسُوْلُ اللّٰہِ'' یعنی پیش کے ساتھ، کیونکہ کلمہ طیبہ میں پیش کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو اذان میں پیش کیوں نہیں ہے بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد سلیم صدیقی، عمان، مسقط......۵/۱۱/۱۹۷۴ء)

الجواب

اذان میں إنَّ (عامل ناصب) کی وجہ سے محمدًا (زبر کے ساتھ) پڑھا جائے گا۔(۱) وھو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۰۸)

کیا کلمۂ شہادت کی طرح اذان میں بھی نون ساکت ہوتا ہے:

سوال: کلمۂ شہادت میں ''ن'' ساکت ہے، اذان میں بھی بعض حضرات فرماتے ہیں ''نون'' کو استعمال نہیں کرنا چاہیے؟

الجواب

''نون'' کی آواز نہیں آنی چاہیے، ''نون'' کا ''لام'' میں ادغام ہو جاتا ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل ۳/۲۹۳)

اذان کے کلمات کے آخر میں ہا، ہا، ہا لحن اور ناجائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں مؤذنین جب اذان میں'' أشهد أن لا إلٰه إلا الله'' پر پہنچتے ہیں تو آخر میں ہا، ہا وغیرہ پڑھتے ہیں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجرو۔

(المستفتی: یوسف نمبر دار واہ کینٹ، راولپنڈی......۱۸/۸/۱۴۰۱ھ)

(۱) قال العلامة جمال الدين عثمان بن الحاجب: المنصوبات فمنه اسم إنَّ وأخواتها هو المسند إليه بعد دخول لها مثل أنَّ زيدًا قائم. (الكافية لابن الحاجب، المنصوبات: ٤٩)

(۲) وأما القراء فقد أجازوا إدغام النون والتنوين في اللام لتقارب مخرجيهما، لأن كليهما من طرف اللسان، وهما من الالأصوات الأسنانية اللثوية في نظر المحدثين. (الكنز في القراء ات العشر، ومن الأمثلة التي وردفيها التأثر المقبل: ١/٦٦)

وأما النون فكان يدغمها في اللام والراء إذا تحرك ماقبلها لاغير. (جامع البيان في القراء ات السبع، إدغام النون: ١/٤٥٤. انيس)

الجواب

چونکہ ہا، ہاوغیرہ آخر میں لحن ہے، لہٰذا ناجائز ہے۔

لما فی الدر المختار: ۳۵۹/۱:

"(ولا لحن فیه) أی تغنی یغیر کلماته فإنه لایحل فعله ولا سماعه کالتغنی بالقرآن.

وفی رد المحتار تحت قوله یغیر کلماته:

أی بزیادة حرکة أوحرف أومد أوغیرها فی الأوائل والأواخر.(۱)

معلوم ہوا کہ زیادت حرکت یا زیادت حرف یا مدآخر یا اول میں لحن ہے، **وهو لایجوز. وهو الموفق**

(فتاویٰ فریدیہ: ۱۹۵۲۱۹۴/۲) ☆

---

(۱) الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۲۸۵/۱۔

☆ **اذان میں "شہادتین" اور "حیعلتین" کو کھینچ کر پڑھنے کا حکم:**

سوال: آج کل ہمارے علاقہ میں مؤذن، اذان بڑی لمبی کرتے ہیں، گو یہ جائز ہے، مگر جب "**أشهد أن لا إلٰه إلا الله**" کہتے ہیں، تو ہاہاہا کی زیادتی کرتے ہیں، ہاہا کبھی اونچی طرز پر اور کبھی مدھم کرکے، اسی طرح "**حی علی الفلاح**" پر ہاہاہا کرتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

چونکہ ہاہاوغیرہ "شہادتین" کے آخر میں لحن ہے، لہٰذا یہ ناجائز ہے۔

لما فی الدر المختار: (ولا لحن فیه) أی تغنی یغیر کلماته فإنه لایحل فعله وسماعه کالتغنی بالقرآن، آه.

وفی الرد تحت قوله یغیر کلماته:

أی بزیادة حرکة أوحرف أومد أوغیرها فی الأوائل و الأواخر. (ردالمحتار، باب الأذان: ۳۵۹/۱)

معلوم ہوا کہ زیادۃ حرکت وحرف یا مدآخر یا اول میں لحن ہے۔ **وهو لایجوز**۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

رشید احمد صدیقی، دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور، مغربی پاکستان

اللہ کے لام کو ایک الف کی مقدار سے زیادہ کھینچنا غلط ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

اعلم أن المد إن کان فی الله فإما فی أوله أو أوسطه أو آخره...... (إلٰی قوله) وإن کان فی وسطه فإن بالغ حتٰی حدث ألف ثانیة بین اللام والهاء کره، آه. (ردالمحتار: ۴۴۸/۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ کے لام کو ایک الف سے زیادہ کھینچنا مکروہ ہے۔

ایسے ہی "حیعلتین" کو بھی زیادہ نہ کھینچا جائے۔

قال الحلوانی: لا بأس بإدخال المد فی الحیعلتین؛ لأنهما غیر ذکر وتعبیره بلا بأس یدل علٰی أن الأولٰی عدمه. (ردالمحتار: ۳۵۹/۱) **فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس، ملتان، ۱۷/۹/۱۴۰۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۱۸، ۲۱۹)

اذان کا صحیح تلفظ:

سوال: اذان میں لوگ "أشهد" میں "هاء" کو ادا نہیں کرتے ہیں، "حی علی الصلوٰة" میں "ع" کو ادا نہیں کرتے ہیں، "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" میں "أنّ" کے بعد الف کو کھینچتے ہیں، "قد قامت الصلوٰة" میں بڑے قاف کی جگہ چھوٹا قاف پڑھتے ہیں، یہ عام عمل ہے۔ صحیح مسئلہ کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ غلطیاں سنگین ہیں، ان کی اصلاح ہونی چاہیے، "أن" کے ساتھ الف پڑھنے سے معنی بالکل ہی بدل جاتے ہیں۔(۱)
(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۹۳/۳)

غلط اذان کا کفارہ:

سوال: غلط اذان دینے یا اس میں غیر ارادی طور پر الفاظ شامل ہونے پر کیا کرنا چاہیے؟

(۱) مؤذن کو الگ کرنا درست ہے؟

(۲) ہم نے جواَب تک غلط اذانیں (میری نظر میں) سنی ہیں، ان کا کفارہ یا کوئی گناہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

آپ نے جو صورت لکھی ہے، فقہی اصطلاح میں اس کو لحن کہتے ہیں، اور یہ ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ ایسی اذان کا سننا بھی حلال نہیں، (۲) اس لیے مسجد کی انتظامیہ کو لازم ہے کہ ایسے مؤذن کو تبدیل کردیں۔

اور اب تک جو غلط اذانیں سنی گئیں، اگر ان کی اصلاح پر آپ کو قدرت تھی، تب تو گناہ ہوا، جس کا تدارک استغفار سے ہونا چاہیے، اور اگر آپ کو اصلاح پر قدرت نہیں تھی، تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۰۹/۳)

☆☆☆

---

(۱) ویکره التلحين وهو التغنّی بحيث يؤدی إلٰی تغيّر كلماته.(الفتاویٰ الهندية: ٥٦/١، كتاب الصلاة، باب الأذان)

(۲) وأشار إلٰی أنه لايحل سماع المؤذّن إذا لحن كما صرحوا به، ودلّ كلامه أنّه لا يحل فی القراءة أيضاً بل أولٰی قراءة وسماعاً، إلخ.(البحر الرائق: ٢٧٠/١، كتاب الصلاة، باب الأذان)

(۳) عن أبی سعيدالخدری قال: سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول: من رأی منكم منكراً فليغيربيده ،فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الإيمان.(الصحيح لمسلم،باب باب بيان كون النهی عن المنكرمن الإيمان (ح:٤٩)انيس)